يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو

شریعت و تصوف

جلد ثانی

از۔ افاضات

قدوۃ السالکین۔ زبدۃ العارفین مسیح الامت الحاج حضرت مولانا
مسیح اللہ خانصاحب دامت فیوضہم۔ از اجلہ خلفاء حکیم الامت مجدد الملت حضرت
مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

ناشر۔ مکتبہ فیض اشرف جلال آباد ضلع مظفر نگر یو، پی،

شریعت و تصوّف

حصّہ ——— دوم ——— ۲۰۰۰

ناشر ——— مکتبہ فیض اشرف
(جلال آباد)

قیمت ——— پانچ روپے

مطبع ——— شیروانی آفسیٹ پرنٹرز ٹیا محل جامع مسجد دہلی

مکتبہ فیض اشرف جلال آباد ضلع مظفر نگر (یو، پی)

فہرست مضامین شریعت و تصوف جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لطائف ستّہ کا بیان

لطائف۔ جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد لطیفہ ہے۔ یعنی وہ چیز جس میں کثافت نہ ہو۔ مراد ان سے وہ چیزیں ہیں جو مادی نہ ہوں۔ مادہ سے مجرد اور خالی ہوں۔ غیر مادی قوتیں جن کو انسانی اعضاء سے تعلق ہوتا ہے۔ ان کی تعداد چھ ہے۔ لطیفۂ نفس۔ لطیفۂ قلب۔ لطیفۂ روح۔ لطیفۂ سِر۔ لطیفۂ خفی۔ لطیفۂ اخفیٰ محققین اہل فن تصوف نے ان کے محل اور موقعہ بھی متعین فرمائے ہیں اور ان کے رنگ والوان بھی بیان فرمائے ہیں اور افعال و آثار بھی۔ چنانچہ کہا ہے کہ لطیفہ نفس کا محل تحت السرۃ ہے اور اس کا رنگ زرد ہے اور لطیفہ قلب کا محل قلب صنوبری ہے جو بائیں پستان کے دو انگل نیچے ہے اور اس کا رنگ سرخ ہے۔ اور لطیفہ روح کا محل دائیں پستان کے دو انگل نیچے بہ قلب صنوبری کے محاذی ہے۔ (اسی لئے لطیفہ قلب اور لطیفۂ روح دونوں کو ذاکر بنانے کے لئے دو ضربی ذکر کیا جاتا ہے) اور لطیفہ روح کا رنگ سفید ہے۔

لطیفہ سر کا محل ذقن کے نیچے سینہ کے بیچوں بیچ ہے۔ اس کا رنگ سبز ہے لطیفہ خفی کا محل دونوں ابروؤں کے درمیان ہے اس کا رنگ نیلگوں ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کا محل ام الدماغ ہے جو کہ دماغ میں ایک نقطہ ہے۔ جس کو جوہر دماغ کا مرکز کہا جاتا ہے۔ اس لطیفہ کا رنگ سیاہ ہے جیسے مردمک چشم۔ یہاں اگر کسی صاحب علم کو یہ شبہ ہو کہ لطائف جبکہ مادی نہیں، مجرد ہیں تو ان کے لئے الوان ہونا کیسے ثابت ہوا چونکہ الوان کے لئے تجسّم یعنی ذی جسم ہونا لوازم سے ہے۔ پس لطائف جو کہ غیر مادی ہیں ان کے لئے الوان کا ثبوت مشکل ہے۔

سو سمجھنا چاہئے کہ یہ الوان عین لطائف کے نہیں ہیں بلکہ ان لطائف کی تجلیات مثالیہ کے الوان ہیں۔ چونکہ تجلی مثالی ہر مجرد اور بے کیف شئی کی ہو سکتی ہے حتیٰ کہ واجب تعالیٰ کی بھی۔ چنانچہ بہت واقعات ہیں کہ لوگوں نے باری تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ حالانکہ اس عالم میں مرئی یعنی جس کو دیکھا جائے اس کیلئے تجسُّم، جسم والا ہونا نہایت ضروری ہے تو یہ رؤیت یعنی خواب میں دیکھنا تجلی مثالی ہی پر محمول ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو کسی خاص شکل میں دیکھا ہے۔

سو حقیقت یہ ہے کہ واجب تعالیٰ شانہ کی مِثل تو ممتنع ہے چنانچہ ارشاد ہے لیس کمثلہ شیئ۔ لیکن مَثَل و مثال کا اثبات ممتنع نہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ونص قرآنی ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ کمشکوٰۃٍ فیھا مصباحٌ۔ وَلہُ المثل الاعلیٰ۔ تو مَثَل کا ہونا حق تعالیٰ کے لئے صراحتہً مذکور ہے اور مثال اس کا مرادف ہے۔ دونوں لفظوں کا صیغہ و شکل مختلف ہے مگر متحد المعنی ہیں۔ دونوں کے معنی ایک

ہی ہیں معلوم ہوا واجب تعالیٰ کے لئے مثل تو ثابت نہیں لیکن مثل اور مثال
ثابت ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ مثل کا اطلاق مشارک فی النوع پر ہوا کرتا
ہے اور واجب تعالیٰ کے لئے کوئی نوع نہیں جس میں کسی کی مشارکت ہو سکے
اس لئے واجب تعالیٰ کے لئے اثبات مثلیت محال ہے۔ بخلاف مثال کے کہ مثال
کا اطلاق مشارک فی الوصف پر ہوتا ہے اور وصف کلی مشکک ہے جس میں
افراد مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں ان میں کمی بیشی کا تحقق ہوتا ہے۔ پس واجب
تعالیٰ میں جو وصف اشدیت واکملیت کے ساتھ ہوتا ہے وہ مخلوق میں اضعفیت
اور انقصیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ کے لئے بھی سمع وبصر ہے۔
اور مخلوق کے لئے بھی۔ تو مخلوق وصف سمع وبصر میں حق تعالیٰ کی مثال ہے
کہ واجب تعالیٰ کا سمع وبصر اقوی واعلیٰ ہے اور مخلوق کا سمع وبصر اضعف
وادنیٰ ہے۔ لیکن مطلق وصف میں تو مشارکت ہوگئی اس سے حدیث شریف
خلق اللہ ادم علیٰ صورتہ کے معنی سمجھ لیجئے کہ صورت کے معنی یہی مثال ہے
مطلب یہ ہوا کہ خلق اللہ آدم علیٰ مثالہ۔ اس لئے سمع وبصر وجہ وغیرہ آدم
مخلوق ممکن اور واجب تعالیٰ میں مشترک ہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے وجہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے تو حدیث میں صورت کے
لفظ سے شکل مراد نہیں بلکہ ظہور و مثال ہے جیسے محاورہ میں کہا جاتا ہے
کہ صورت مسئلہ اسطرح ہے یعنی اس کی وضاحت، ظہور و بیان یہ ہے۔

غرض لطائف کی تجلیات مثالیہ کے الوان گویا لطائف کے الوان ہیں
تجلی مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ ذی مثال کے مشابہ ایک ایسی شئی ظاہر ہو جس

سے کسی قدر زائد وضاحت کے ساتھ ذی مثال کا تصور ہو جائے. مثال اور ذی مثال میں تمام وجوہ کے ساتھ تشابہ ضروری نہیں. جیسے زیدٌ کالاسد کہ زید شیر کے مثل ہے۔ اس سے مقصود صرف وصف شجاعت میں دونوں کا شریک ہونا بتلانا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وصف شجاعت ایک کُلّی مشکک ہے۔

شیر میں یہ وصف بہت زیادہ پایا جاتا ہے اور زید میں بہت کم ہے اسی طرح جب باری تعالیٰ کو کسی شکل میں دیکھا جائے تو مثال تو حادث ہوتی ہے لیکن ذی مثال، واجب تعالیٰ قدیم ہے۔ لہٰذا تجلی مثالی بعض خاص اوصاف کے اعتبار سے ہے۔ قدم و حدوث کے اعتبار سے نہیں۔ اور اس تجلی کے وقت صاحب واقعہ کو علم ضروری کے طور پر اس مثال کا مرأت ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ میدان قیامت میں حق تعالیٰ متجلّی ہوں گے (تجلّی فرمائیں گے) لیکن اہلِ محشر پہچان سے عاجز رہ جائیں گے کیونکہ حکمت ابتلاء سے ان کو اس تجلی کا تجلی مثالی ہونا معلوم نہ ہوگا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ حق تعالیٰ متجلی ہوں گے تو پہچان لیں گے اور پہچانتے ہی سجدہ میں گر پڑیں گے۔ یہ دونوں تجلیاں قیامت میں باتفاق امت، مثالی ہوں گی۔ کیونکہ موطن قیامت تو عالم ناسوت ہی کے اجزاء سے ہے اور عالم ناسوت میں ذات مرئی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ تجلی مثالی ہوگی۔ البتہ جنت میں جو تجلی ہوگی وہ تمام فرق اسلام کے نزدیک ذاتی ہوگی۔ بے کیف ہوگی۔

بہر حال الوان لطائف کے ضمن میں یہ بات چلی تھی تو ثابت ہو گیا کہ یہ الوان نفس لطائف کے نہیں بلکہ درحقیقت اُن کی تجلیات مثالیہ کے الوان ہیں مجازاً لطائف کے الوان کہے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح الوان کی نسبت لطائف کی طرف ہوتی ہے۔

افعال لطائف ستہ:۔ لطائف کی تعداد اور ان کے محال اور الوان بیان ہو چکے۔ اب ان کے افعال بیان کئے جاتے ہیں۔

نفس امارہ لوامہ مطمئنہ:۔ اوّل لطیفہ نفس ہے جس کے تین درجے ہیں۔ نفس امارہ۔ نفس لوامہ۔ نفس مطمئنہ۔ نفس کا اصل فعل غفلت ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نفس کا اصل فعل شہوت ہے۔ چونکہ غفلت اور شہوت میں تلازم ہے۔ غفلت سے شہوت پیدا ہوتی ہے اور شہوت سے غفلت۔ تو نفس کا فعل مجموعہ غفلت و شہوت ہے۔ یہ غفلت و شہوت کُلّی مشکک ہے۔ اس لئے اس کے افراد شدت و ضعف میں مختلف ہیں۔ نفس کی اصلاح مجاہدات وطاعات سے ہوتی ہے یعنی ریاضت و تقویٰ سے شہوت و غفلت میں کمی ہو جاتی ہے۔ اس کمی کا نام سکون ہے جس کے تین درجے ہیں۔ ۱۔ سکون کامل و تام ۲۔ غیر کامل و غیر تام ۳۔ عدم سکون مطلقاً۔ پہلے درجے میں نفس کا نام مطمئنہ ہے۔ دوسرے درجے میں اس کا نام لوّامہ ہے تیسرے درجہ میں اس کا نام امّارہ بالسوء ہے۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ نفس مجاہدہ اور ریاضت اور زہد وطاعت، ورع و تقویٰ میں انسان کی مقاومت کرتا ہے

اسی طرح مقابلہ کرتے کرتے اگر نفس مغلوب ہوگیا اور اس میں بالکل شانِ اطاعت پیدا ہو گئی تو نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ یہ حالت اطمینان کی ہے۔ صدور شر سے اطمینان ہو گیا۔ اور اگر بالکل مغلوب نہیں ہوا۔ بلکہ کبھی غالب، کبھی مطیع کبھی مطاع ہوتا ہے تو اس حالت میں نفس لوامہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس حالت اور اس درجہ میں نفس افعال شنیعہ کے ارتکاب سے نادم بھی ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ملامت بھی کرتا ہے اور اگر نفس اس مقابلہ و مقاومت میں ہمیشہ غالب اور مطاع ہی رہتا ہے تو اس حالت میں امارہ بالسوء کہلاتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ سوء اور قباحت و شناعت کی راہ میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ نفس کے تین درجے ہوئے۔

انتباہ:۔ نفس مطمئنہ امور خیر میں مزاحمت و مقاومت تو نہیں کرتا مگر اس کو وساوس و خطرات پیش آجاتے ہیں جس سے انسان کی ترقی اور اس کے کمال میں ازدیاد ہوتا ہے۔ جیسے شائستہ تعلیم یافتہ گھوڑا کبھی کبھی شوخی کرتا ہے لیکن سوار کے اشارہ ہی سے درست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفس مطمئنہ ۔ وساوس و خطرات کے درجہ میں کبھی کبھی خفیف و ضعیف مقاومت کرتا ہے لیکن سالک کے اشارہ پر درست ہو جاتا ہے تو چونکہ نفس مقاومت کو کالعدم قرار دیا ہے اور اس حالت کو سکون تام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ لطیفہ نفس کے فعل کا حال بیان کیا گیا ہے۔

اب لطائف خمسہ باقیہ کا فعل جو سب میں مشترک ہے بیان ہوتا ہے۔ وہ فعل مقصود حقیقی کی طرف توجہ اور اس کا تصور ہے۔ اسی تصور کو ذکر، یاد دھیان وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ تو ان لطائفِ خمسہ کے فعل تصور کی اصل حقیقت

اس قدر ہے کہ نفسِ ذات باری تعالیٰ کا تصور ذہنی اور ذکر مفرد کیا جائے۔ اور لفظ اللہ کے لئے کوئی محمول یا خبر کا ثابت ہونا جیسے اللہ قادر، اللہ علیم، اللہ سمیع اللہ بصیر وغیرہ کہنا اصل ذکر کے تحقق کے لئے لازم نہیں۔ بس لفظ اللہ ہی کافی ہے۔ کیونکہ بالاتفاق ایسا ذکر، ایسا تصور جائز ہے۔ دیکھئے باتفاق علماء۔ جب ذکر قلبی بغیر محمول وخبر جائز ہے تو ذکر لسانی بھی جائز ہے اور پھر یہ کہ حقیقتاً ذکر لسانی تو ذکر قلبی ہی کی حکایت ہے اور حکایت اگر محکی عنہ کے مطابق ہو تو اسمیں کیا محظور، کیا خرابی ہو سکتی ہے اس کو یوں سمجھو کہ تصور کے درجات مختلف ہیں۔

ذکر، حضور، مکاشفہ، شہود، معائنہ :-

مثلاً ۱ ایک شخص محبوب ہے جو موجود و حاضر نہ ہو بلکہ غائب اور غیر موجود ہو ـــ اس کو یاد کیا جائے۔ ۲ وہ محبوب سامنے موجود ہو لیکن مسافت بعیدہ پر ہو جس سے خط و خال اچھی طرح نظر نہ آسکیں اس کا تصور کیا جائے۔ ۳ وہ سامنے مسافت قریبہ پر ہو جس سے خط و خال اچھی طرح نظر آسکیں اسکا تصور کیا جائے۔ ۴ وہ شخص بالکل قریب موجود ہو اس کے تصور و دیدار میں اس قدر محویت ہو جائے کہ فرطِ عشق و محبت کی وجہ سے اپنی بھی خبر نہ رہے ۵ پانچویں وہ محویت یہاں تک ترقی کرے کہ بے خبری کی بھی خبر نہ رہے۔ یہ تصور کے پانچ درجات ہیں۔ ان میں چوتھا اور پانچواں درجہ نعاس اور نوم غرق کے مشابہ ہے۔ چوتھا نعاس کے مانند ہے کہ نعاس (اونگھ) میں صاحب نعاس کو یہ علم ہوتا ہے کہ میں نعاس میں ہوں لیکن جسم و دماغ پر ایک نیم شعوری کیفیت چھائی رہتی ہے گو دیگر اشیاء سے لاعلمی ہوتی ہے مگر اس لاعلمی کا علم ہوتا ہے

اور پانچواں درجہ بالکل نوم غرق کے مانند ہے کہ صاحب نوم غرق کو اس کا بھی علم نہیں ہوتا کہ میں نوم میں ہوں۔ بس لا یدری کا پورا مصداق ہوتا ہے ورنہ وہ صاحب نوم، غرق نہیں ہوگا۔ کیونکہ نوم غرق کے خواص و لوازم سے ہے کہ لاعلمی و بے خبری سے بھی لاعلمی و بے خبری ہو۔ جب تمثیل سے اتنی بات سمجھ میں آگئی تو اب تصوف کے پانچوں اصطلاحی درجوں کو سمجھئے۔ صوفیا کے یہاں درجہ اوّل کا نام ذکر ہے۔ کیونکہ اس میں محض یاد ہے۔ دوسرے درجہ کا نام حضور ہے کیونکہ اس میں متصوّر اور مرئی سامنے ہوتا ہے۔ تیسرے درجہ کا نام مکاشفہ ہے کیونکہ مرئی کے غایت قرب کی وجہ سے حضور تام اور خط و خال کا کامل انکشاف ہوتا ہے چوتھے درجہ کا نام شہود و مشاہدہ ہے کیونکہ صوفیاء کی اصطلاح میں شہود و مشاہدہ حضور اتم و اکمل کو کہتے ہیں اور اس درجہ میں حضور اتم و اکمل سے غایت شیفتگی و فریفتگی اور حالت وفور، والہانہ اور والعانہ ہوتی ہے اس درجہ کا نام فنا بھی ہے کیونکہ محویت کی وجہ سے اپنی ہستی کا علم نہیں ہوتا۔ پانچویں درجہ کا نام معائنہ ہے۔ معائنہ سے مراد اصطلاحاً وہ حضور و معائنہ ہے جو شہود اصطلاحی سے زائد ہو اور اس درجہ میں معائنہ شہود اصطلاحی سے زائد ہوتا ہے کیونکہ لاعلمی سے بھی لاعلمی ہوتی ہے اس وجہ سے اس کا نام فناء الفنا بھی ہے۔ کیونکہ غایت محویت کی وجہ سے اپنی لاعلمی کا بھی علم نہیں ہوتا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے

؎ تو در او گم شو وصال این است و بس گم شدن گم کن کمال این است و بس

ترجمہ۔ ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے۔ تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے۔

تو تصور مقصود حقیقی کے یہ پانچ درجات ہیں۔ ذکر، حضور، مکاشفہ، شہود و مشاہدہ و فنا

معائنہ وفناء الفناء۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ لطیفۂ قلب کا فعل ذکر ہے۔ لطیفہ روح کا فعل حضور لطیفہ سر کا فعل مکاشفہ۔ لطیفہ خفی کا فعل شہود و مشاہدہ وفناء۔ لطیفۂ اخفیٰ کا فعل معائنہ اور فناء الفناء۔ ان افعال لطائف و درجات تصور کے حاصل ہونے کے لئے حضرات مشائخ کی تعلیم مختلف طرق سے ہوتی ہے بعض حضرات، طالبین وسالکین کو ذکر کی مخصوص طرز کے ساتھ اس قدر مشق کرنے کو فرماتے ہیں کہ یہ لطائف خمسہ علیحدہ علیحدہ ذاکر ہو جائیں۔ یہ سب افعال ان سے صادر ہونے لگیں اور بعض حضرات، صرف قلب سے ذکر کی مشق کرنے کو فرماتے ہیں۔ جس سے ان سب افعال کا صدور ہونے لگے۔ اس کی بالکل ضرورت نہیں سمجھتے کہ یہ بتایا جائے کہ یہ فعل کس لطیفہ کا ہے۔ کیونکہ یہ حضرات لطائف کی طرف تفصیلی توجہ کو حجاب سمجھتے ہیں۔ حدیث شریف میں بھی قلب کا ذکر وارد ہے فرمایا۔ ان فی الجسد مضغتہ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب تو ایسے امور میں صرف قلب ہی کا ذکر وارد ہوا ہے۔

اور وہ حضرات جو لطائف کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اُن کے نزدیک بھی ان لطائف خمسہ میں باہم اتصال ہے اس لئے صرف ذکر قلب سے بھی بقیہ لطائف میں آثار اور افعال مذکورہ سرایت کرتے جاتے ہیں کیونکہ یہ لطائف آپس میں متعاکس طور پر ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے سے انعکاسی طور پر آثار و افعال کو قبول کرتے ہیں جیسے ایک آئینہ پر آفتاب کی شعاعیں واقع ہوں اس کے مقابلہ میں دوسرا آئینہ ایسی طرح رکھا جائے کہ آفتاب کا عکس اس آئینہ میں

اس آئینہ سے منعکس ہو۔ اسی طرح تیسرا پھر چوتھا آئینہ رکھا جائے تو جیسے ایک آئینہ کی دوسرے متصل آئینوں میں نور آفتاب درخشاں ہوتا ہے ایسے ہی ذکر قلبی سے دوسرے لطائف میں بھی آثار مطلوبہ نمایاں ہوتے ہیں۔

حضرات صوفیہ کے نزدیک حدیث شریف میں جس قلب کا ذکر ہے گو اس سے لطیفۂ قلب مراد نہیں، مضغہ ہی مراد ہے لیکن یہ حکم اصل میں اس لطیفہ کا ہے جسکو اس مضغہ کے لئے غایت اتصال اور تعلق کی وجہ سے ثابت فرمایا ہے جیسے حالت ادراکیہ کو صورت علمیہ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

یہ مضغہ قلب صنوبری جسد ظاہری کا جزو اور مادی شئے ہے اور جو قلب لطیفہ ہے وہ اور شئے ہے۔ وہ مادی نہیں ہے مجرد ہے۔ اس لطیفہ کا قلب صنوبری سے تعلق، افاضۂ آثار و انوار کا ہے جیسا کہ حکماء بیان کرتے ہیں کہ نفس ناطقہ مجرد ہے جزو بدن نہیں مگر اس کا تعلق بدن سے تصرف و تدبیر کا ہے تو جس طرح لطیفہ قلب کو بدن مادی کے ایک خاص جزو یعنی قلب صنوبری سے تعلق ہے اسی طرح بقیہ لطائف اربعہ کو بھی جسم انسانی کے خاص خاص مقامات سے افاضہ آثار و انوار کا تعلق ہے۔ اسی تعلق کی وجہ سے جب ذاکر لطائف سے ذکر کرنا چاہتا ہے تو ان لطائف کے خاص خاص مقامات جن کو ان لطائف سے تعلق ہے ان کی طرف بھی توجہ کرتا ہے چنانچہ جب لطیفہ قلب کو ذاکر بنایا جاتا ہے تو قلب صنوبری کی جانب توجہ کی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے لطائف کے ذاکر بنانے میں بھی ان کے محل و مقام کی طرف توجہ کی جاتی ہے البتہ توجہ کے طریقے مختلف ہیں۔ جو عمل کرانے والے کی رائے پر موقوف ہیں۔ وہ جس طریقہ کو

مناسب سمجھتا ہے بتادیتا ہے۔

اس ذکر لطائف کے سلسلہ میں اصل تو ذکر ہی ہے اگرچہ اس کے ساتھ دوسری چیزوں کو بھی بیان کیا جاتا ہے جیسے فکر، شغل، مراقبہ، تصور، یہ سب ذکر ہی کے انواع ہیں۔ ذکر ہی کے ذرائع ہیں۔ ذکر ہی کے رسوخ وملکہ کے طرق ہیں۔ ان سب کے مجموعہ کو اہلِ فن اصطلاحاً ذکر کہتے ہیں۔ ذکر سے مراد وہی ذکر ہے جو شریعت میں مذکور، ماثور اور منقول اور معمول بہ اور مقصود ہے اور شغل وغیرہ سے مراد ہیئت ذکر ہے گویا کہ وہ ذکر کی علت صوریہ ہے۔ یعنی یہ تصور کیا جائے کہ فلاں موقعہ جو فلاں لطیفہ کا محل ہے مشغولِ ذکر ہے جیسے جارحۂ لسان ذاکر ہے اسی طرح یہ محل بھی ذاکر ہے مثلاً لطیفہ قلب میں لسانی ذکر کے ساتھ یہ تصور کیا جائے کہ قلب صنوبری بھی ذکر کر رہا ہے تو لطائف کے ذکر میں یہ اصطلاحی شغل بھی ہوتا ہے یعنی لطیفہ کے محل کے متعلق یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ذکر الٰہی میں یہ محل بھی ہم نوائے لسان ہے اور اسی شغل کی تقویت اور اس کے کامیاب اور موثر بنانے کے لئے بعضے افعال بھی کئے جاتے ہیں۔ مثلاً کلمات ذکر کو سانس سے اوپر اٹھایا جاتا ہے پھر وہاں سے دماغ میں پہنچایا جاتا ہے اور وہاں پہنچا کر سانس روک لیا جاتا ہے اور یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ام الدماغ میں سانس بند ہے کیونکہ تجربے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ حبسِ دم کو دفع خطرات اور مطلوب کی جانب توجہ قوی ہونے میں زیادہ دخل ہے چنانچہ شکار میں ہدف کو سامنے رکھنے کے لئے حبسِ دم ضروری سمجھا جاتا ہے اسی طرح ذکر لسانی یا ذکر قلبی میں مشغولی کی جاتی ہے کہ ذکر لسانی کے علاوہ ذکر قلبی بھی ہوتا ہے کہ الفاظ متخیلہ سے قلب کو ذاکر بنایا جاتا ہے جیسے آیت واذکر ربك فی

نفسک تضرعا وخفیۃ میں ذکر قلبی مراد ہے اور حدیث شریف کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ سے علی الاطلاق ذکر اللہ سے ذکر ہی مستنبط ہوتا ہے کہ بول وغائط وجماع کی حالت میں ذکر لسانی منفی ومنہی عنہ ہے تو اس وقت ذکر قلبی ہی کا صدور ہوگا معلوم ہوا کہ ذکر جس طرح لسانی ہوتا ہے قلبی بھی ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ذکر قلبی خود ذکر لسانی کی اصل ہے کیونکہ ذکر قلبی کلام نفسی ہے اور ذکر لسانی کلام لفظی ہے۔ اسی کو یوں کہا ہے اور یہ مسلم ہے کہ ؎ ان الکلام لفی الفؤاد وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا۔

ترجمہ:۔ کلام درحقیقت دل ہی میں ہوتا ہے اور زبان تو اس پر دلالت کرنیوالی، بتلانیوالی ترجمان ہے

چنانچہ شریعت نے بہت سے مواقع پر ذکر قلبی کو معتبر مانا ہے چنانچہ باتفاق امت اخرس کے ایمان کے لئے اقرار باللسان ضروری نہیں صرف توحید ورسالت کا تخیل جازم واعتقاد کامل وتصدیق تام کافی ہے۔ اسی طرح جو شخص بالقصد والاختیار مضامین کفریہ کو الفاظ متخیلہ سے قلب میں جاگزیں ومستقر کرے۔ وہ شریعت میں کافر ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر جس طرح لسانی ہوتا ہے قلبی بھی ہوتا ہے الفاظ متخیلہ سے قلب کو ذاکر بنایا جاتا ہے اور ذکر جاگزیں کیا جاتا ہے کہ قلب اللہ کے ذکر سے، اللہ کی یاد سے، اللہ کے خیال سے، اللہ کے تصور سے، اللہ کے دھیان سے غافل نہ ہو۔ دل میں اللہ کی یاد ایسی جم جائے کہ کسی آن اس سے نہ اترے الاماشاء اللہ۔

حاصل یہ کہ ذکر لطائف اصطلاحاً دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ذکر، فکر۔ اسی فکر کو شغل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے پس ان دونوں کے مجموعے یعنی ذکر

کی مزاولت اور فکر کی مواظبت سے لطائف کے محل میں مختلف اور نئے نئے آثار وکوائف محسوس ہوتے ہیں۔ خواہ وہ آثار وکوائف ان محلوں میں پہلے سے موجود ہوں اور احساس وظہور اب ہوا ہو۔ خواہ ان آثار وکوائف کا حدوث ہی اب بعد فکر ہوا ہو۔ اور یہ آثار وکوائف کبھی حرکات کی شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور کبھی اصوات (آوازوں) کے رنگ میں رونما ہوتے ہیں۔ اور یہ اصوات کبھی غیر الفاظ ہوتے ہیں۔ اور کبھی خاص خاص الفاظ محل لطائف میں محسوس ہوتے ہیں اور یہ الفاظ بعض کے نزدیک صرف خیالی ہوتے ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ خیالی نہیں بلکہ حقیقتاً محل لطائف میں پہلے سے موجود ومحفوظ ہیں۔ جیساکہ قرآن شریف میں ہے۔ **وان من شئ الا یسبح بحمدہ**۔ کہ ہر چیز اس کی حمد کی تسبیح کرتی ہے اور ذکر کرتی ہے چونکہ لطائف کے محل بھی اشیاء ہیں۔ اس لئے وہ بھی آیت شریفہ کے منطوق کے موافق تسبیح میں مشغول ہوں گے اور یہ تسبیحات ہی وہ الفاظ ہیں جو ذاکر کو اب محل لطائف میں محسوس و مسموع ہو رہے ہیں اور کبھی یہ آثار وکوائف الوان مختلفہ کے رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ذکر کی مزاولت اور فکر وشغل کی مواظبت پر بطریق منع الخلو یہ تینوں قسم کے آثار وکیفیات مرتب ہیں جو فکر کے سرایت کی علامت ہیں۔ حرکات محل لطائف۔ استماع الفاظ فی محل لطائف احساس الوان محل لطائف یہ تینوں آثار وکیفیات انتہائی مشق سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور سرایت ذکر کی علامات سمجھے جاتے ہیں۔

کبھی یہ تینوں آثار مجتمعۃً ذکر وفکر کی مزاولت پر مرتب ہوتے ہیں کبھی ایک یا دو پائے جاتے ہیں لیکن واضح رہے کہ یہ آثار سرایت ذکر کی محض علامات ہیں سرایت ذکر کی حقیقت میں داخل یا اس کے خصائص (ولوازم) میں سے نہیں ہیں۔ ان علامات ثلاثہ کے ظہور سے ولایت و مقبولیت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اصل مقصود تو ذکر و فکر و شغل کی مداومت سے یہ ہے کہ ذہول و غفلت کم ہو اور اکثر اوقات تیقّظ و یاد اور مشاہدۂ جمال و کمال میں بسر ہو۔ ان آثار سے تقویت و تائید کا فائدہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات بعض طبائع کو وساوس و خطرات کا ہجوم ہوتا ہے اور وہ یکسوئی و دفع وساوس کے طالب ہوتے ہیں۔ اس لئے شیخ کامل اس ذکر لطائف کی مشق کراتا ہے تاکہ سکون و اطمینان حاصل ہو جائے اور طبیعت سے انتشار و وساوس، تخیل کی پراگندگی دور ہو جائے۔

اسلئے بھی اہل طریق کبھی لفظ اللہ کاغذ پر لکھ کر اس پر نظر جماتے ہیں۔ اور کبھی عمل انشکتاب تجویز کرتے ہیں یعنی لفظ اللہ برابر لکھتے چلے جائیں حتیٰ کہ یہ اسم اعظم قلب و ذہن میں کماحقہٗ مستقر و متمکن ہو جائے لیکن یہ سب طرق مقصود بالذات نہیں بلکہ صرف وسیلۂ یکسوئی ہیں جو کہ ایک درجہ میں شرعاً بھی مطلوب ہے۔ اس شرعی مطلوبیت کا درجہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کھانے کے تقاضہ کے وقت نماز سے قبل کھانے سے فراغت حاصل کرنے کا حکم ہے تاکہ یکسوئی ہو جائے اور نماز اعتدال و اطمینان سے ادا کی جائے۔ تو کھانے سے فراغت مقصود بالذات نہیں بلکہ یکسوئی کا وسیلہ ہے تاکہ نماز اطمینان قلب سے ادا ہو سکے۔ اسی طرح لفظ اللہ لکھ کر کاغذ پر اس پر نظر جمانا یا عمل انشکتاب مقصود

بالذات نہیں بلکہ وسیلۂ یکسوئی ہے مگر عبادت کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے ان کا شمار حسنات ہی میں ہے اور یہ موجب اجر و ثواب ہیں جیسے فراغت از طعام بقصد یکسوئی و اطمینان در نماز باعث اجر و ثواب ہے۔ پس یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ یہ کیفیات اگر مقدمہ عبادت نہ بنائی جائیں تو پھر ان کا کچھ اجر نہیں اور مقاصد میں سے تو کسی حال میں ہی نہیں۔ چنانچہ ان الوان وغیرہ کا انکشاف غیر مسلمین تک کو بھی یکسوئی سے حاصل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ مجنونوں کو بھی۔ جیسا کہ کتاب فن طب، شرح اسباب میں صراحتاً مذکور ہے کہ جنون میں کشف ہو جاتا ہے کیونکہ بعض اوقات مجنوں کے تخیلات بھی کسی ایک مرکز پر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ نیز اگر کسی شخص کو معصیت کے ارتکاب میں یکسوئی ہو جائے تب بھی اس کو حقایق کونیہ کا کشف ہو سکتا ہے بلکہ بعض لوگوں میں فطرۃً کشف سے مناسبت ہوتی ہے ان کو اکتساب یکسوئی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی چہ جائیکہ اسلام کی، اسی لئے غیر مسلم اور مسلم عاصی کے لئے ایسے امور کو ایسے کشفیات اور صوری کرامات کو کہانت اور استدراج کہا جاتا ہے۔

سلطان الاذکار:۔ غرض انھیں اشغال میں سے ایک شغل ایسا بھی ہے کہ ذاکر تمام اعضاء و جوارح کے متعلق عین ذکر کے وقت یہ اجمالی تصور کرتا ہے کہ یہ سب ذکر کر رہے ہیں۔ ایسے ذکر و شغل کو اہلِ فن سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ اس سلطان الاذکار سے بھی ایسی ہی حرکات والوان و اصوات پیدا ہو جاتی ہیں۔ کبھی چڑیوں کی سی آوازیں سنائی دیتی

ہیں کبھی رعد وصاعقہ کی خطرناک گرجیں سُنائی دیتی ہیں بعض دفعہ ذاکر ان آثار کے ہجوم سے خائف وپریشان ہوجاتا ہے ایسے موقعہ پر شیخ کے کلمات تسلی اور الفاظِ تشفی سے ہی کشتی پار ہوتی ہے۔

(مکتوبات قدوسیہ میں اس کیفیت کا بہت ذکر ہے۔ شیخ جلال الدین تھانیسری ؒ نے اپنے حالات میں ان کیفیات کو بار بار لکھا ہے اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی تشفیات وتسلیات بھی موجود ہیں) انھیں وساوس وخطرات کے دفع ہجوم کے لئے اور سکون جمع خاطر کے لئے حبسِ دم سے بھی کام لیا جاتا ہے کیونکہ حبسِ دم سے یکسوئی میں اعانت ہوتی ہے۔ البتہ حبس دم باندازۂ ضبط وتحمل اور بقدر طاقت ہونا چاہئے۔ اور وہ بھی شیخ کی تعلیم پر، ازخود نہیں۔ اس وقت اکثر نے اس کو ترک کردیا ہے کہ اب قویٰ واعصاب میں تحمل نہیں۔

انتباہ:۔ صوفیہ کے ان طرق تعلیمات پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ چونکہ ان حضرات صوفیہ محققین کا کوئی اس قسم کا طریق تعلیم خلافِ شرع نہیں ہوتا بلکہ مستند الی الشرع ہی ہوتا ہے کہیں یقیناً کہیں ظناً کہیں احتمالاً۔ اس لئے اس کو خلاف شرع نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ اِجْعَلْ بَصَرَكَ حَيْثُ تَسْجُدُ۔ کہ حالت قیام صلوٰۃ میں اپنی نظر کو جائے سجدہ پر جمائے رکھو۔ تو یہ حکم جیسے ادب وتعظیم کی رعایت کے لئے ہے اسی طرح یہ حکم جمعیتِ خاطر واطمینانِ قلب اور یکسوئی حاصل کرنے کے لئے بھی ہے اسی سے حضرات صوفیہ کرام نے اشغال کی اصل کا استنباط فرمایا ہے اور ایسے امور ظنیہ میں احتمال بھی کافی ہوتا ہے جو اجتہاد کے انضمام سے راجح بھی ہوجاتا ہے

ہے کیونکہ اس احتمال سے اس امر کا تو یقین ہو جاتا ہے کہ صوفیہ کا تجویز فرمودہ شغل شریعت مطہرہ میں بے اصل نہیں۔ جیسے حضرات مجتہدین فقہاء بدون نصوص صریحہ کے بعض احتمالات پر محض ذوق سے احکام ظنیہ ظاہرہ کا استنباط فرماتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرات بھی احکام ظنیہ باطنہ کا استخراج کرتے ہیں کیونکہ یہ حضرات بھی فن طریقت کے احکام باطنہ میں مجتہد ہیں۔

الغرض ذکر لطائف و سلطان الاذکار حبس دم وغیرہ سے مقصود اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل و دماغ میں ایک راسخ ملکہ یادداشت پیدا ہو جائے جس کے سبب اکثر اوقات مقصود سے ذہول و غفلت نہ ہو بلکہ ذکر میں مشغول رہے جو کہ مطلوب عند اللہ ہے

جس پر لایزال لسانک رطباً من ذکر اللہ، اور کل مطیع للہ فھو ذاکر نیز آیت شریفہ صریحہ منصوصہ فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم۔ صریح الدلالۃ ہیں اور پھر آیات واحادیث سے کثرت ذکر کا حکم ظاہر ہے حتیٰ کہ ارشاد ہے اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون۔ اسی کثرت ذکر کو حضرات صوفیہ دوام ذکر سے تعبیر فرماتے ہیں پس جب تصریح قوم (صوفیہ) سے معلوم ہو چکا کہ تمام اذکار و اشغال سے مقصود اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل و دماغ میں ایک مستحکم اور راسخ ملکہ یادداشت پیدا ہو جائے جس میں اکثر اوقات ذہول و غفلت نہ ہو تو اسی ذکر میں قوت و ترقی ہو کر وہ درجات پیدا ہو جاتے ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے یعنی ذکر، حضور، مکاشفہ، شہود و معائنہ

انتباہ: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان اشغال و مراقبات وغیرہ تدابیر

وطرق کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس طیبہ کی برکات اور مصاحبۃ مطہرہ کے فیوض سے اپنے قلوب و اذہان میں ایسی قوی اور کامل استعداد رکھتے تھے کہ ان امور کو واسطۂ مقصود بنانے کی ان کو ضرورت نہ تھی۔ اعمال ماموربہا ہی ان اشغال کے ثمرات کے لئے ان کو کافی تھے۔ یہی راز ہے کہ یہ علوم مروجہ خیر القرون میں مدون نہیں ہوئے۔ جوں جوں خیر القرون سے بُعد ہوتا گیا حل مشکلات اور فتح مغلقات کے لئے تدوین علوم کی ضرورتوں کا احساس ہوتا گیا جس کو علمائے اُمت نے خیر القرون سے متصل ازمنہ متقاربہ میں باحسن وجوہ انجام کو پہنچا دیا اور چونکہ ضرورتیں مختلف تھیں اس لئے فطرتاً تقسیم عمل کی حاجت ہوئی۔ چنانچہ بعض حضرات نے علم ظاہر کی جانب توجہ مبذول کی اور اس کے مختلف شعبوں میں سے کسی خاص شعبہ کو اپنا مخصوص مرکز توجہات بنالیا گو اور شعبوں کی جانب بھی بقدر ضرورت متوجہ رہے۔ اور بعض حضرات نے امانت باطنی کو سنبھالا اور اس خاص شعبۂ شریعت کو مخصوص توجہات کا مرکز بنایا۔

اس طرح دونوں جماعتوں نے اُمت مرحومہ کو رہین منت فرمایا۔ پس چونکہ ہم ضعیف الاستعداد اور ضعیف العقائد ہیں۔ ہمارے دل و دماغ میں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس کا حسن و جمال مرکوز اور رچا ہوا ہے۔ حقائق ہم سے مستور ہیں اس لئے ہم کو وصول الی اللہ کے لئے اور قرب حق کے لئے ان ذرائع اور وسائل خاصہ کی حاجت ہے اور شدید حاجت ہے اسی لئے کتب تصوف کی تدوین ہوئی۔ اور ان میں امراض باطنہ، اسباب امراض، طرق تشخیص، معالجات تمامہا

وبکمالہا منضبط و مضبوط اور مبسوط ہیں، لیکن باوجود اس کے سالکین کو سلوک کے مراحل طے کرنے اور اصلاح نفس و تزکیۂ اخلاق میں شیخ کامل کی سخت ضرورت ہے۔ بغیر تعلیمات و تنبیہات شیخ کے وسوسہ شیطانی سے محفوظ رہنا اور صحیح سالم منزل مقصود پر پہونچنا کارے دارد اور عادتاً محال ہے۔ شیخ مختلف اذکار و اشغال وغیرہ میں سے اپنی فطانت اور فہم و فراست اور اپنے تجارب کی بناء پر کہ وہ شیخ کامل اس راہ سلوک کے اطراف وجوانب کو بعلم الیقین و عین الیقین وحق الیقین طے کر چکا ہوتا ہے تو اب وہ ہر سالک کے مزاج اور خصوصیات کے موافق ذکر و شغل وغیرہ تجویز کرتا ہے جس سالک کو جس طریق سے مناسبت سمجھتا ہے اسی طریق کے ذریعہ منزلِ مقصود کی جانب اس کی رہبری کرتا ہے۔ بالکل ایسی مثال ہے کہ طب ظاہری میں علاجِ ابدان کے لئے متعدد ادویہ ایک اثر ایک درجہ ایک کیفیت ایک مزاج کی ہوتی ہیں لیکن طبیب حاذق مختلف اصحاب کے لئے خفی مناسبت کی بناء پر علیحدہ علیحدہ دوا تجویز کرتا ہے اس پر اعتماد نہیں کرتا کہ یہ دوائیں خواص میں متحد ہیں اس لئے سب مریضوں کے لئے جو ایک ہی مرض میں مبتلا ہیں ایک ہی دوا تجویز کر دوں تو دیکھئے کتب طب ظاہری میں بھی نہایت شرح وبسط کے ساتھ یہ دوائیں موجود ہیں لیکن مریضوں کے لئے اپنے معاملات میں صرف ان کا مطالعہ کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ ضرور ماہر فن طبیب کی تلاش کی جاتی ہے خصوصاً پیچیدہ امراض میں حتی کہ امراض شدیدہ میں تو خود اطباء بھی اپنے معالجات میں اکثر دوسرے اطباء سے مشورہ لیتے ہیں پس جو نسبت مرض جسمانی اور کتب طبیہ اور اطباء میں ہے

وہی نسبت سالکین کے امراض روحانیہ و نفسانیہ اور کتب تصوف و مشائخ میں ہے

اصل ضرورت تعلیم شیخ کی ہے بیعت اصل نہیں ہے

لیکن یہ بات ضرور خیال رکھنے کی ہے کہ ضرورت شیخ کی تعلیم کی ہے نہ کہ بیعت کی۔ آج کل تمام دار و مدار بیعت پر سمجھا جاتا ہے اور تعلیم کی جانب توجہ نہیں کی جاتی۔ حالانکہ اصل شئی تعلیم ہے۔ اگر ایک شخص بیعت نہیں ہے لیکن اس کو شیخ کامل تعلیم دیتا ہے اور وہ اخلاص و صدق کے ساتھ اور فکر و اہتمام کے ساتھ پورا پورا اتباع کرتا ہے عمل کرتا ہے تو اس کے کامل مکمل ہو جانے میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں۔ برخلاف اس شخص کے جو کسی قطب الارشاد سے بیعت ہے مگر نہ وہ تعلیم دیتا ہے اور نہ یہ عمل کرتا ہے تو یہ بیعت ہیچ ہے۔ دیکھو کیا کوئی طبیب ظاہر کبھی معالجہ امراض میں مریضوں سے یہ شرط کرتا ہے۔ کہ تم میرے شاگرد ہو جاؤ؟ تو اصلاح و تربیت، تہذیب و اخلاق کے لئے بیعت کو شرط قرار دینا کیسا؟ حضرات صوفیہ کا مقصود بیعت سے صرف اتنا تھا کہ شیخ و مرید میں ایک طرح کی مناسبت پیدا ہو جائے جس سے فی الجملہ تعلیم شیخ و تعلم مرید میں سہولت ہو یعنی تعلیم کے لئے بیعت لولاہ لا ممتنع کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ صرف مصحح لدخول الفاء کے درجہ میں ہے مگر ناواقفوں نے عکس کر دیا بلکہ عکس سے بھی زائد کہ بیعت ہی کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ تعلیم شیخ پر پابندی سے عمل کیا جاتا۔ اور شیخ کو اپنے حالات و کیفیات سے مطلع کیا جاتا کیونکہ اطلاع احوال و کیفیات کو فطری طور پر شیخ کو مرید کی جانب متوجہ

کرنے میں کافی دخل ہے اس لئے اس کو اس سے مسرت ہوتی ہے کہ یہ میری تعلیم پر عمل کرتا ہے اور میری تدابیر کو نگاہِ وقعت سے دیکھتا ہے جیسے طبیب جب اپنے مریض کو متوجہ اور قدردان پاتا ہے تو زائد متوجہ ہوتا ہے مگر اب بیعت ہی مطمع نظر ہوگئی ہے۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

دیکھئے استاد شاگرد کا تعلق کس قدر قوی ہوتا ہے؟ بہت قوی ہوتا ہے مگر محتاج بیعت نہیں۔ دکاندار پیروں نے عوام الناس کو ارادت کے دام میں پھنسانے کے لئے بیعت کی ضرورت کے گیت گائے۔

پس شیخ و مرید کے اس طرح کے تعلق سے کہ شیخ کی جانب سے تعلیمات ہوتا رہنا اور مرید کو تعلیمات پر کمال اعتماد اور جازم اعتقاد کے ساتھ اتباع اور حالات و کیفیات سے اطلاع بخلوص و صدق ہوتا رہنا نسبت مع اللہ کے حصول کا خاص طریق ہے

انتباہ:۔ یوں تو نسبت مطلق تعلق مع اللہ ثابت ہے اور ولایت عامّ میں داخل ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور اس پر دلیل ہے لیکن ولایت خاصہ اور نسبت خاصہ اس تعلق مع اللہ کو کہتے ہیں جس کے لوازم میں سے دو چیزیں نہایت ضروری ہیں اول کثرتِ ذکر دوسرے دوامِ طاعت، بغیر ان دو چیزوں کی نسبتِ خاصہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس نسبت خاصہ میں سالک کو حق تعالیٰ سے ایسا قوی تعلق ہو جاتا ہے کہ ذہول کمّاً و کیفاً نہایت ہی خفیف ہوتا ہے اور یہ صاحب نسبت عدمِ نسیان اور عدمِ ذہول میں اور اوامر کے بجالانے اور نواہی سے پرہیز

کرنے میں مثل عاشق مؤلع کے ہوتا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ اس صاحب نسبت کو طبعاً دین حق کی مخالفت ایسی گراں اور مکروہ ہوتی ہے جیسے عوام مومنین کو عقلاً جیسا کہ حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی حلاوت والے کو کفر کی طرف لوٹنے سے ایسی گھبراہٹ ہوتی ہے جیسے آگ میں ڈالے جانے سے گھبراتا ہے (یعنی نفرت و کراہت اور وحشت طبعی ہوتی ہے)

ایمان دو قسم پر ہے

تو ایمان دو قسم کا ہوا ایک وہ جو حلاوت کے ساتھ ہو یہ وہی ایمان ہے جو نسبت خاصہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو بدون حلاوت ہو یہ وہ ایمان ہے جو نسبت عامہ کے ساتھ ہوتا ہے جس کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ایمان دو ہیں ایک وہ جس کا حاصل کرنیوالا جہنم میں داخل نہ ہوگا اور دوسرا وہ جس کا حاصل کرنے والا جہنم میں (داخل نہ) ہوگا (ہمیشہ نہیں رہے گا۔ یہ وہ ہے جو بغیر حلاوت ایمان کے ہے تو اس حلاوت ایمان کی تحصیل کے لئے ہی تمام اذکار و اشغال کا طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ تمام اذکار و اشغال کی غایت مقصود اور غرض اصلی نسبت خاصہ کا اکتساب ہے اور اس

نسبت کا اکتساب واجب ہے۔ پس کثرت ذکر اور دوام طاعت کا وجوب ظاہر ہے ذکر قلیل جو ذکر کثیر کا مضاد ہے اس کو حق تعالےٰ نے منافقین کی مذمت میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔ لا یذکرون اللہ الا قلیلاً۔ معلوم ہوا کہ کثرت ذکر مطلوب ہے جس طرح دوام طاعت مطلوب ہے۔ پس بندوں کی جانب سے کثرت ذکر و دوام طاعت ہوتا ہے۔ اور بندوں کے خالق کی جانب سے رضاء ہوتی ہے تو اس طرح رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مصداق ہو جاتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مرتکب معاصی کو نسبت خاصہ مصطلحہ کا حصول نہیں ہوتا الحاصل یہی نسبت وہ قرب ہے جو مامور بالتحصیل ہے اور اس کا طریق صرف اعمال صالحہ ہیں جو اختیاری ہیں نہ کہ کیفیات اور حالات بغیر اختیاریہ جن کا قرب مذکور میں کچھ دخل نہیں مگر اکثر اصل طریق یعنی اختیاریات کو چھوڑ کر غیر اختیارات کے درپے ہوتے ہیں اور یہ سخت مضر اور مانع حصول نسبت ہے۔ پس جو قرب افعال اختیاریہ پر مرتب ہوتا ہے وہ، وہ قرب ہے جو مامور بالتحصیل ہے مطلق قرب نہیں۔ لہٰذا اعمال اختیاریہ ظاہرہ و باطنہ اخلاق فاضلہ بمالکہ قرب مقصود کے لئے شرط ہیں۔

علوم مکاشفہ ناقابل التفات ہیں

پس یہ بات نہایت ضروری اور اہتمام کے ساتھ خیال رکھنے کی ہے اور بہت ہی زیادہ قابل توجہ ہے کہ تصوف سے متعلق جو علوم مکاشفہ ہیں وہ بالکل ناقابل التفات ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ خود کشف و کرامات ہی کو اہل فن حیض الرجال سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس مقصود فوائد ہیں،

نکہ زوائد۔ اسی لئے میرے شیخ حضرت حکیم الامت مجدد ملت محی الطریقت فرمایا کرتے تھے کہ علوم مکاشفہ کے بیان سے مجھے ذرہ برابر بھی حظ نہیں ہوتا میں اس خدمت کو اصل کام اور باعث حظ سمجھتا ہوں کہ کسی طالب و عامل کو کچھ بتا دوں اور وہ اس پر اہتمام سے عمل پیرا ہو۔ باقی اس قسم کی تحقیقات و تدقیقات تو حقیقت میں میبذی اور صدرا کی تقریروں کے مترادف ہیں اگر سچ پوچھئے تو ثمرات و برکات کا حصول ان تحقیقات و تدقیقات کے نسیاً منسیاً کر دینے پر موقوف ہے چونکہ ایسی تحقیقات اور تدقیقات حجاب اور مانع ہیں

اور فرمایا کہ جس زمانے میں میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرس اوّل تھا ایک طالب علم نے درخواست کی کہ مجھ کو مثنوی مولانا ئے روم "پڑھا دیجئے۔ میں نے دریافت کیا، کیا آپ تحصیل درسیات سے فارغ ہو چکے ہیں، کہا کہ درسیات قریب الختم ہیں، کچھ باقی ہیں۔ میں نے کہا مولوی صاحب مثنوی کے پڑھنے کے لئے ابھی دو درجے باقی ہیں پہلے درسیات کا اکمال اور پھر ان کا اہمال یعنی محو کرنا اور بھلانا۔ اسی لئے کہا گیا ہے العلم ہو الحجاب الاکبر۔ تو میرے نزدیک علوم مکاشفہ ناقابل التفات ہیں۔ ان کو میں مخل مقصود سمجھتا ہوں پس سالک طالب کو یہ بس اور کافی ہے کہ اس طرح سلوک طے کرنے میں منہمک ہو اور یہی مطمح نظر ہو کہ ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم — کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

؎ قال را بگذار مرد حال شو — پیش مرد کاملے پامال شو

؎ کار کن کار بگذر از گفتار — کاندریں راہ کار باید کار

اسی سلسلہ میں ایک ملفوظ السلسبیل لعابر السبیل کے نام سے محفوظ و مطبوع ہے۔ فرماتے ہیں میں دیکھتا ہوں کہ آج کل ان باتوں کا کہیں تذکرہ نہیں نہ علماء کے یہاں نہ مشائخ کے یہاں۔ بس تصوف کی ایک مبہم صورت بنا رکھی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی حقیقت مدت سے مستور چلی آتی تھی۔ مگر الحمدللہ اس وقت ایسی وضاحت ہوگئی کہ کوئی خفا اور التباس کسی قسم کا اس میں باقی نہیں رہا۔ مجھے تو بحمداللہ کسی مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ اور خلجان نہیں ہوتا نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر تجویز کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو میں خیرخواہی سے عرض کرتا ہوں۔ عملاً بقولہ علیہ السلام الدین النصیحۃ کہ اس وضوح کو اس زمانہ میں غنیمت سمجھ کر اس کی قدر کرنا چاہئے اور اس سے منتفع ہونا چاہئے۔ ؎

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت میں اس بیش بہا نعمت کی ناقدری پر باز پرس ہو ابھی وقت ہے کہ خوش نصیبان اسلام اس نعمت غیر مترقبہ سے مالامال ہوں۔

حضرت قدس سرہٗ العزیز کے اس ارشاد پر کہ "مجھے تو بحمداللہ مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ اور خلجان نہیں ہوتا" حضرت کی تصانیف نافعہ فی التصوف مسائل السلوک، التکشف خود دلیل ہیں۔ اور اس ارشاد پر کہ "نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو" کتاب تربیت السالک کھلی شہادت ہے۔

خلاصہ بیان لطائف ستہ | یہ لطائف کے سلسلے میں بیان تھا مگر طویل ہو گیا اس

لئے اب خلاصہ کے طور پر لطائف کی تعداد اور ان کے نام اور ان کے محال اور الوان اور افعال لکھے جاتے ہیں۔

لطائف چھ ہیں ـــــ ان کے نام یہ ہیں۔ لطیفہ نفس۔ لطیفہ قلب۔ لطیفہ روح۔ لطیفہ سر۔ لطیفہ خفی لطیفہ اخفیٰ۔ ان کے محل یہ ہیں۔ لطیفہ نفس کا محل زیر ناف ہے۔ لطیفہ قلب کا محل قلب صنوبری ہے جو بائیں پستان کے دو انگل نیچے ہے۔ لطیفہ روح کا محل دائیں پستان کے دو انگل نیچے ـــ لطیفہ قلب کے محاذی ہے۔ لطیفہ سر کا محل ذقن کے نیچے سینہ کے بیچوں بیچ ہے۔ لطیفہ خفی کا محل دونوں ابروؤں کے درمیان ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کا محل ام الدماغ ہے۔ لطائف کے الوان یہ ہیں۔ لطیفہ نفس کا لون و رنگ زرد ہے۔ لطیفہ قلب کا رنگ سُرخ ہے۔ لطیفہ روح کا لون و رنگ سفید ہے۔ لطیفہ سر کا لون سبز ہے لطیفہ خفی کا لون نیلا۔ اور لطیفہ اخفیٰ کا رنگ سیاہ ہے

لطائف کے افعال و آثار یہ ہیں۔

لطیفہ نفس کا اصل فعل غفلت و شہوت ہے۔ مقاومت و مخالفت نفس کے ذریعہ انقطاع عن الخلق ہے۔ لطیفہ قلب کا فعل ذکر ہے۔ لطیفہ روح کا فعل حضور ہے۔ لطیفہ سر کا فعل مکاشفہ ہے۔ لطیفہ خفی کا فعل شہود و مشاہدہ اور فناء ہے لطیفہ اخفیٰ کا فعل معائنہ اور فناء الفناء ہے۔

ذکر

ذکر صوفیاء کی اصطلاح میں یہ ہے کہ انسان خدا کی یاد میں تمام غیر خدا کو بھول جاوے اور بحضورِ قلب خدا کا قرب نزدیکی اور معیت حاصل کرے جیسا کہ ارشاد خداوندی بلسان جبریلؑ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بحدیث قدسی ہے۔ انا مع عبدی اذا ذکرنی وتحرکت بی شفتاہ۔ انا جلیس من ذکرنی کہ جب میرا بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں میں اس کے ساتھ ہوجاتا ہوں اور جو مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کا ہم جلیس ہمنشین ہوں اور ارشاد ربانی بنص قرآنی ہے۔ سبحوہ بکرۃً واصیلاً۔ خدا کی صبح شام تسبیح کیا کرو نیز فرمایا فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم۔ پس خدا کو یاد کرتے رہو۔ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے یعنی ہمہ وقت (کما ہو المحاورۃ)، ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمہ وقت، ذکر مطلوب ہے۔

اس کی مدح بھی ہے اور فضیلت بھی ہے اور ترغیب بھی ہے۔

پس پوری توجہ سے یاد الٰہی میں اس طرح منہمک ہو جاوے کہ اپنے نفس سے بالکل بے خبر ہو جاوے۔ یہ ذکر ہے کہ ہوائے نفس سے کچھ نہ کرے کل مطیع للّٰہ فھو ذاکر کے مطابق ہر عمل میں ذکر کا ظہور ہو۔

اقسامِ ذکر:- ذکر کی بہت سی قسمیں ہیں۔ لیکن مقصود ذکر سے مطلوب کا حاصل کرنا ہے اس لئے جس ذکر سے یہ فائدہ مقصود حاصل ہو جائے وہی ذکر ہے خواہ وہ نماز و روزہ ہو یا ادعیۂ ماثورہ و درود شریف ہوں۔ لیکن یاد رہے کہ مقصود اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کبر سے نہ نکل جائے، ذاکر اپنے کو مٹا نہ دے طالبِ خدا اس کے ذکر میں اس طرح منہمک ہو جاوے کہ اپنے کو اور تمام ماسوی اللہ کو بھول جاوے جب اس طرح ہو جائے گا تو اس پر انوار الہٰیہ کی اس قدر تجلیات ہونگی کہ اس کے حواس خمسہ مغلوب اور مستور ہو جائیں گے۔ ذکر و ذاکر دونوں فنا ہو کر صرف مذکور ہی رہ جائے گا۔ اور جو شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ میں اقرار کیا تھا اس کا مصداق ہو کر عین الیقین بلکہ حق الیقین تک ہو جائے گا۔

انتباہ:- یوں تو ذکر کے اقسام بہت ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا لیکن چونکہ حدیث شریف میں افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ آیا ہے اس لئے اکثر مشائخ اسی ذکر سے ابتدا کرتے اور اسی کی تعلیم دیتے ہیں۔

اسی میں چار قسمیں نکلتی ہیں۔

ذکر ناسوتی، ملکوتی، جبروتی، لاہوتی	اول نفی و اثبات لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ دوسرے

اثبات الا اللہ۔ تیسرے اللہ چوتھے ھُو۔

اور عالم بھی چار ہیں۔ ناسوتی۔ ملکوتی۔ جبروتی۔ لاہوتی۔

ذکر ناسوتی، ملکوتی، جبروتی، لاہوتی:۔

اول ذکر ناسوتی ہے۔ دوسرا ملکوتی۔ تیسرا جبروتی، چوتھا لاہوتی۔ اور وہ ھو ھو ہے۔ یوں بھی (یعنی اس طرح بھی) کہا ہے کہ تیسرا مکرر اللہُ اللہ (اول پیش کے ساتھ دوسرا جزم کے ساتھ) اور چوتھا صرف اسم ذات بسیط غیر مکرر اللہ (جزم کے ساتھ) ہے۔

ذکر لسانی کو ناسوتی۔ ذکر قلبی کو ملکوتی۔ ذکر روح کو جبروتی۔ ذکر سِر کو لاہوتی اور یہ بھی ہے کہ ذکر لسانی کو جسمی اور فکر کے ذکر کو نفسی۔ اور مراقبہ کو ذکر قلبی اور مشاہدہ کو ذکر روحی اور معائنہ کو ذکر سِرّی کہتے ہیں۔

ذکر ناسوتی لا الہ الا اللہ ہے کہ اس میں امور ناسوت، شہوات و لذات و خواہشات جو ناسوت یعنی عالم دُنیا سے متعلق ہیں نفس کو مشغول کرتے ہیں ان سے نفی ہے ان نے نکل جانا اور انقطاع ہوئی دل اندائمہ ہو کر ذکر ناسوتی باعث حصول محبت حق ہو اور ذکر ملکوتی الا اللہ سے حصولِ رضا ہو اور ذکر جبروتی اللہُ اللہ سے مراقبہ ذات مع صفات عظمت و احسان و رحمت و شفقت وغیرہ ہو اور ذکر لاہوتی اللہ سے توجہ الی الذات البحت مع قطع النظر عن الصفات ہو۔

اشغال:۔ ان ہی اذکار کی انواع میں سے اصناف بھی ہیں جو حصول مقصود میں خاص تاثیر رکھتے ہیں ان کا نام شغل اور مراقبہ ہے

شغل یہ ہے کہ آنکھ کھول کر آسمان کی طرف یا اپنے سامنے کسی چیز کو مثلاً لفظ اللہ کو

دیکھتے ہیں اور پلک بند نہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ شغل کئی طریق پر ہوتا ہے شغل پاس انفاس بلا حبس دم اور حبس دم، شغل جاروب، شغل حدادی شغل آرہ شغل سہ پایہ، شغل سلطانا نصیرا، شغل سلطانا محمودا، شغل سلطان الاذکار، شغل سرمدی شغل بساط، شغل قلندری ان میں سے بعض کو ذکر سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

تنبیہ:۔ اذکار و اشغال اور مراقبات مع حبس دم بہت طریقوں پر ہے جن کا تحمل بوجہ قویٰ و اعصاب اور دل و دماغ کے کمزور ہونے کے نہیں ہے۔ اندیشہ ضرر جسمانی و فتور دماغ، جنون و خشکی دماغ ہو کر مختل الحواس ہونے کا ہے اس لئے یہاں ان کا بیان نہیں کیا جاتا۔ بس سادہ اور آسان طریق کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ذکر اسم ذات اللہ بلا پیش و کے جزم کے ساتھ۔ ہر طالب کو چاہئے کہ پاس انفاس کے ساتھ اسم ذات اللہ کا ورد ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ روزانہ کر لیا کرے۔ (یہ مرتبہ انتہائی مرتبہ ہے) اگر اس پر قدرت نہ ہو تو چوبیس ہزار مرتبہ کرلے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ آدمی دن رات میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے ہر سانس میں ایک ذکر ہو جائے گا اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم بارہ ہزار بار ضرور کیا کرے (یہ ادنیٰ مرتبہ ہے) اس ذکر میں ذکر زبانی یقیناً ذکر قلبی کا وسیلہ ثابت ہو گا۔ اگر بارہ ہزار مرتبہ بھی نہ ہو سکے تو مرید کو چھ ہزار بار اسم ذات کا ورد کر لینا ہی چاہیئے۔

ذکر نفی و اثبات:۔ طریق یہ ہے کہ لا الٰہ کے لا کو ناف سے ذرا طاقت سے کھینچ کر لفظ الٰہ کو داہنے بازو تک لیجا کر سر کو پیٹھ کی طرف تھوڑا سا جھکا کر یہ خیال کرے کہ میں نے غیر سے اپنے دل کو پاک

کر کے تمام اغیار کو پس پشت ڈال دیا پھر الا اللہ کی ضرب ذرا زور سے دل پر لگائے یہ دو سو بار کہے اس طرح کہ ہر دس بار یا سانس لوٹنے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے

انتباہ:۔ لا الٰہ کہتے وقت مبتدی لا معبود اور متوسط لا مقصود یا لا مطلوب اور منتہی کامل لا موجود کا تصور کرے۔ اور تھوڑی دیر مراقب ہو کر خیال کرے کہ فیوضات الٰہیہ قلب میں ہر وقت حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اور تصور کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینہ میں آتا ہے خواہ چار زانو بیٹھے یا دو زانو جسمیں سہولت و ذوق ہو۔

ذکر اثبات مجرد:۔ الا اللہ ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ پہلی بار لا الٰہ کہتے وقت ناف سے کھینچ کر سر کو دائیں شانہ کیطرف لیجا کر الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے اور پھر دل پر ہی بائیں جانب ضرب لگاتا رہے۔ چار سو بار پھر مثل نفی اثبات مراقبہ کرے۔

ذکر اسم ذات دو ضربی:۔ اللہ اللہ اول ہ پیش کے ساتھ اور دوسری ہ، اللہ کی جزم کے ساتھ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں آنکھیں بند کر کے ـــــ سر داہنے کندھے کی طرف لے جا کر اللہُ پیش کے ساتھ لطیفہ روح پر ضرب لگائے اور دوسرے لفظ اللہْ جزم کے ساتھ، سے دل پر ضرب لگائے یہ چھ سو بار ہے پھر اس طرح مراقبہ کرے کہ ہر دس بار زائد کے بعد، اللہُ ناظری اللہُ حاضری، اللہُ معی کہتا رہے۔ تاکہ کیفیت و لذت اسکی حاصل ہو

ذکر اسم ذات یک ضربی:۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ اللہْ جزم کے ساتھ سر

بائیں جانب لے جا کر دل پر ضرب کرے یہ سو بار ہے۔ پھر مراقب ہو کر اس طرح کہے۔ اللّٰہُ نَاظِرِی۔ اللّٰہُ حَاضِرِی۔ اللّٰہُ مَعِی اور معنی کا خیال کرے۔
(اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ میرے پاس ہے، اللہ میرے ساتھ ہے)

انتباہ:۔ ذکر نفی و اثبات لا الہ الا اللہ میں اس قدر مشغول ہو کہ سوائے ذکر کچھ نہ رہے۔ کوئی سانس بغیر ذکر نہ نکلے۔ جب اس حالت کو سالک پہونچ گیا تو عالم مادیت، عالم اجسام سے تجاوز کر کے مرتبہ لطیف پر پہونچ جائے اور اب بجز الا اللہ کے اثبات کے تمام کی نفی ہو جاتی ہے۔ اب یہ مرتبہ نفس سے نکل کر لطیفہ قلب کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ چونکہ یہ ذکر الا اللہ دل کا ذکر ہے اس لئے اب الا اللہ کا تصور بحضور قلب چاہئے کہ اپنی ذات وصفات کو اللہ کی ذات وصفات کے ساتھ ربط ہو جاوے۔ جب سالک اس مرتبہ کو پہونچ جاتا ہے تو مرتبہ دل سے گزر کر مرتبہ روح پر پہونچ جاتا ہے اور روح کا ذکر اسم ذات اللہ کا ذکر ہے اس واسطے اس ذکرِ اسم ذات میں اس طرح انہماک ہو کہ الف لام جو اللہ پر داخل ہے باقی نہ رہے صرف ھو رہ جائے۔ اس مرتبہ پر پہونچنے سے سالک سراپا ذکر ہو جائے گا اور روح سے ترقی کر کے مرتبہ سِرّ پر پہونچ جائے گا اور مقام فناء الفناء پر فائز ہو جائے گا۔ اب سالک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ اب وہ مصداق حدیث شریف ۔بی یسمع وبی یبطش کا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب وہ میرے ساتھ سنتا ہے۔ میرے ہی ساتھ دیکھتا ہے وبی یبطش میرے ہی ساتھ پکڑتا ہے وبی یمشی میرے ہی ساتھ چلتا ہے۔ یعنی اس کا ہر حرکت وسکون خدا کی مرضی کے مطابق وجود میں آتا ہے۔ دیکھنے میں بشر ہے لیکن بے شر ہے۔ سراپا نور ہے۔ اب اس کو لا الہ الا اللہ

کی خوب معرفت ہو جائے گی۔ عبدیت کاملہ حاصل ہو جائے گی۔ عبدیت میں درجہ کمال اور بصرف ہمت عبادت میں مشغول ہو گا۔ حفظ مراتب اور احکامِ شریعت کا امراً و نہیاً امتثال کرے گا۔

ذکر جلی و خفی:۔ ذکر لسانی کو جلی اور ذکر قلبی کو خفی کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ لسانی کے جہر کو جلی اور غیر جہر کو خفی کہتے ہیں۔ ذکر جلی کی ادنیٰ حد تو متعین ہے وہ زبان کو حرکت دینا یا اپنے آپ کو سنانا ہے لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں یہ اپنے اپنے نشاط پر ہے مگر اس کا خیال ضروری ہے کہ کسی نمازی یا سونے والے کو ایذا نہ ہو۔

تاخیر وصل سے آتشِ شوق میں التہاب پیدا ہوتا ہے

انتباہ:۔ دستور ہے کہ وصال محبوب کے حاصل ہونے میں جس قدر دیر ہوتی ہے اسی قدر وصل کے پیچھے طالب کو آتش شوق میں التہاب اور طلب و خواہش وصل میں زیادتی ہوتی ہے سو جو شخص استقلال و مردانگی سے جدوجہد کرے گا اس کے متعلق خدا کے فضل و کرم سے کامیابی کی امید ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین۔

شغل پاس انفاس:۔ پاس انفاس نفی و اثبات لاالہ الا اللہ کے ساتھ بھی ہے اور اسم ذات اللہ کے ساتھ بھی ہے اور شغل کے بہت طریق ہیں جن کے نام پہلے لکھے گئے ہیں۔ یہاں ان کے نام ہی پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ اب وہ سب بسبب ضعف اعضاء و شرائین و امعاء و معدہ اور ضعف دل و دماغ قابل تحمل نہیں۔ بس ذکر

کی تکثیر حسب فرصت وصحت باخلاص وصدق بطلب صادق ومحبت کافی ہے مع اہتمام تقوی واجتناب مشتبہات انشاء اللہ تعالیٰ وہ سب آثار کم وبیش حاصل ہوں گے اگرچہ وہ مطلوب نہیں ہیں اس لئے نہ تفصیلی التفات کی ضرورت نہ رغبت کی ضرورت چونکہ وہ سب آثار مخلوقات میں سے ہیں طالب خالق کو مخلوق کیطرف التفات ہی کیوں اور کہاں ہے۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ حسب طریق ذکر نفی واثبات، ذکر اثبات، ذکر اسم ذات دوضربی ویک ضربی اور ذکر ہوہو کی مداومت کرنا مقام فناء اور فناء الفناء، اور کمال عبدیت پر پہونچا دیتا ہے بفضلہ وتوفیقہ تعالیٰ۔ اور مقصد وصول وقبول ہے جو سب سے حاصل ہوجاتا ہے۔ پھر اشد مجاہدات وریاضیات کیوں ہوں جبکہ اب عادتاً نباہ بھی نہیں ہوسکتا اور باعث ضعف اور مضر جسم بھی ہے۔ پس ذکر حسب بیان وتعلیم سالک اور یہ سادہ شغل پاس انفاس کافی ہے۔

طریق شغل پاس انفاس نفی واثبات

سانس لیتے وقت اور سانس باہر کرتے وقت اس طرح ذکر کرے کہ سانس باہر آتے لَا اِلٰہ کہے اور سانس لیتے وقت اِلَّا اللہ کہے اور دونوں سانسوں کے وقت ناف کو دیکھے اور منہ بالکل بند رکھے اور زبان کو بالکل حرکت نہ دے۔ اس قدر پابندی یا استقلال چاہیئے کہ طبعی سانس خود بخود بلا ارادہ ذکر کرنے لگے۔

طریق شغل پاس انفاس بذکر اسم ذات اللہ:۔ یہ ہے کہ لفظ اللہ اس کا طریق

کو سانس باہر آتے وقت اور ہُو کو سانس لیتے وقت اندر لائے اور تصور کرے کہ ظاہر و باطن ہر جگہ اللہ ہی کا ظہور ہے اور ذاکر اس قدر زیادتی بلحاظ صحت و فرصت کرے کہ سانس ذکر کا عادی ہو جائے۔ اور حالت بیداری میں فراغ و مشغولی میں ذاکر رہے اور ماسوی اللہ سے قلب بالکل صاف ہو جائے۔

چونکہ یہ ذکر قلب کو بالکل صاف، کدورتوں سے پاک کر کے انوار الٰہیہ کا مہبط یعنی نزول کا محل بنا دیتا ہے اس وجہ سے اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں جاروبِ قلب بھی کہتے ہیں۔ انتباہ:۔ صحت مند اور قوی الاعصاب اصحاب کیلئے چند اشغال مزید لکھے جاتے ہیں جو تجربہ حال سے مفید ثابت ہوئے۔

طرقِ سُلطان الاذکار اس کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریق یہ ہے کہ چھوٹے سے حجرہ میں جہاں شور و غل نہ ہو داخل ہو کر درود شریف اور استغفار اور اعوذ باللہ پڑھ کر اللّٰھم اعطنی نوراً واجعل لی نوراً واعظم لی نوراً واجعلنی نوراً تین بار حضور قلب و تصور کیساتھ کہے پھر خواہ لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر بدن کو ہلکا کرے اور مردہ تصور کرے اور پورا متوجہ اور باہمت ہو جاوے اس کے بعد سانس لیتے وقت اللہ کا اور سانس باہر نکالتے وقت ہُو کا تصور کرے اور خیال کرے کہ سانس لیتے وقت اور باہر آتے وقت ہر بال بال سے ہُو نکل رہا ہے یہاں تک مشغول ہو کہ اپنا خیال بھی جاتا رہے اور ہو الحی القیوم کا ہر وقت تصور قائم ہو جاوے انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح سے کچھ عرصہ بعد جسم کا ہر ہر رواں ہر ہر بال ذاکر ہو جائے گا اور انوارِ تجلی سے منور ہو جائے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حواس خمسہ کو روئی سے یا انگلیوں سے اس طرح بند کرے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کے سوراخوں میں دے اور دونوں انگلی شہادتین کی دونوں آنکھوں کے پپوٹے پر رکھے اور دونوں انگلی بیچ کی دونوں نتھنوں پر رکھے اور دونوں انگلی چھنگلی کے پاس کی اوپر کے ہونٹ پر اور چھنگلی نیچے کے ہونٹ پر رکھے اور اکڑوں بیٹھ کر یا جس طرح بیٹھنے میں سہولت ہو بیٹھ کر زبان کو تالو سے لگالے اور آہستہ آہستہ سانس لے کر حبس دم کرے یعنی سانس کو روکے اور لفظ اللہ خیال سے بلا حرکتِ لسان ناف سے کھینچ کر ام الدماغ یعنی بیچ سر میں روکے جب تک بلا تکلف رک سکے اور وہاں سے دل مدور میں لے جا کر اسم ذات اللہ خیال سے کہتا رہے جب سانس لینے کا تقاضا ہو تو صرف نتھنوں سے انگلیاں ہٹا کر ناک سے آہستہ سانس چھوڑے۔ تین سانس لے کر پھر حبسِ دم کرے اور پھر ایک ایک سانس بڑھا کر تحمل کی مقدار کو پہنچا دے۔

شغل سلطاناً نصیراً اس کا طریقہ یہ ہے کہ صبح و شام رو بہ قبلہ دو زانو بیٹھے اور اطمینان خاطر سے دونوں آنکھیں یا ایک آنکھ بند کر کے دوسری آنکھ سے ناک کے نتھنے پر نظر ڈالے اور بغیر پلک جھپکائے جس طرح چراغ یا ستارہ کی روشنی کو دیکھتا ہے غیر معین نور کا تصور کرے اور استغراق ایسا ہو کہ وہ محو ہو جاوے۔

انتباہ:۔ ابتدا میں تو آنکھوں میں ضرور تکلیف ہوگی۔ اور پانی بہیگا لیکن چند دن کے بعد جب عادت ہو جائے گی تو یہ تکلیف جاتی رہے گی اور اس کو اپنی صورت جس طرح آئینہ میں نظر آتی ہے نظر آنے لگے گی۔ اور نور الٰہی سے منور ہو جائے گا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا کہ اس شغل کے فوائد بہت ہیں خصوصاً خطرات کے انسداد میں عجیب و غریب تاثیر رکھتا ہے۔

شغل سلطاناً محموداً اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح سلطاناً نصیراً کے ذکر میں نتھنوں پر نظر رکھتے ہیں اسی طرح اس شغل میں دونوں بھوؤں کے بیچ نظر رکھتے ہیں۔

انتباہ:۔ اس شغل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذاکر کو اپنا سر نظر آنے لگتا ہے اور جب سر نظر آنے لگتا ہے تو عالم بالا کے حالات سے مطلع ہو جاتا ہے۔

شغل[۱] سہ پایہ:۔ شغل سہ پایہ اَللّٰہُ سَمِیْعٌ، اَللّٰہُ بَصِیْرٌ اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کا ذکر ہے۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ جائے اور سُلطاناً نَصِیراً[۲] کا تصور کرے اور سانس کو روک کر ناف سے لے کر ام الدماغ تک پہونچائے، جب سانس اُمّ الدماغ میں پہونچے تو اللّٰہ سَمِیْعٌ کہے اور پھر

---

[۱] شغل سہ پایہ اکثر مشائخ کا معمول رہا ہے۔ چنانچہ شیخ نظام الدین بلخیؒ نے جو کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے انھوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے ابوسعیدؒ کو یہ شغل تجویز کیا تھا۔ [۲] یعنی مددگار محمود بادشاہ کا تصور کرے۔

یَسْمَعُ کا تصور کرے۔ پھر اَللّٰہُ بَصِیْرٌ کہے اور بی یُبْصِرُ کا تصور کرے۔ پھر ناف پر اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کہے اور بی یَنْطِقُ کا تصور کرے پھر اس کے بعد اس طرح شروع کرے کہ ام الدماغ میں اَللّٰہُ عَلِیْمٌ اور ناف پر اَللّٰہُ سَمِیْعٌ عروج و نزول کے طریقہ پر کہے۔ یہاں تک کہ ایک سانس میں ایک سو ایک بار شغل سہ پایہ کرنے لگے

انتباہ:- یہ شغل لکھ دیئے ہیں جس کی صحت عمدہ ہو، اعصاب میں ضعف نہ ہو اور سالک چاہے تو کرے لیکن شیخ کی تجویز ہر حالت میں ضروری اور مقدم ہے۔ اطلاع اور اتباع اصل ہے۔

انتباہ:- ذکر و شغل یک ضربی، چہار ضربی، پنج ضربی، شش ضربی، ہفت ضربی بھی ہیں۔ لیکن بس اب یکضربی دو ضربی پر کفایت ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ حسب بیانِ سابق کافی و وافی ہے۔

انتباہ:- انسان کو ہر سانس پر ہوشیار و بیدار رہنا چاہیئے بغیر پاس انفاس کی مدد کے انسان کا دل کدورتوں ظلمتوں سے ہرگز صاف نہیں رہ سکتا۔

مراقبات:- جب ذکر جہری یا سری کی تکثیر سے سالک منور ہو جاتا ہے اور اس کی رگ رگ، رونگٹے رونگٹے میں ذکر سرایت کر جاتا ہے اور ایک محویت کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ تب مراقبات کی تعلیم کی نوبت آتی ہے۔ اصل یہی ہے۔ لیکن اب عوارض کے سبب ذکر کے ساتھ ساتھ ہی مراقبات بھی تعلیم کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے اب آگے مراقبات کا بیان کیا جاتا ہے۔

مراقبہ کا بیان

مراقبہ:۔ کسی ایسے مضمون کو سوچنا، جو مطلوب حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف انجذاب کا سبب ہو، اس تک پہونچانے والا ہو۔ اس کی یاد و دھیان کا سبب ہو۔ سیدھے سادے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے۔ کہ جو چیز مطلوب حقیقی، اللہ جل شانہ تک پہنچانے والی ہو اس کے خیال رکھنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ لہٰذا مراقبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مدنظر رکھنے کو کہتے ہیں۔

اور مراقبہ خاص یہ ہے کہ خدا کی ذات میں اس قدر فکر کرے کہ اپنے سے بے فکر اور بے خبر ہو جاوے، کبھی یاد دل سے نہ اترے خواہ جمالاً یا جلالاً یا انسیۃً یا خشیۃً یا خوفاً یا رحمۃً ومحبۃً یا شوقاً الی لقاءہٖ

طریق اس کا یہ ہے کہ دو زانو، نمازی کی طرح سر جھکا کر بیٹھے اور دل کو غیر اللہ سے خالی کرے۔ اللہ جل جلالہٗ کی حضوری میں حاضر کرے اور اعوذ و بسم اللہ پڑھ کر تین بار اللہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ معی زبان سے کہہ کر ان کے معنوں کو دل میں ملاحظہ کرے، تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے اور میرے پاس ہے اس جاننے اور تصور کرنے، خیال کرنے میں اس قدر محو ہو کہ غیر حق کا تصور نہ رہے حتیٰ کہ اپنی بھی خبر نہ رہے۔

مراقبہ کی کئی قسمیں ہیں:۔

مراقبہ کے متعدد طریق ہیں جس طریق کی جس قسم سے طالب کو نفع ہو اسے منزل مقصود تک پہونچائے اس پر مزاولت کرے، چند اہم قسمیں یہ ہیں۔

مراقبۂ رویت ۔ مراقبۂ معیت ۔ مراقبہ اقربیت ، مراقبہ وحدت ۔ مراقبۂ فناء

مراقبۂ رویت :۔ خدا کی کی رویت کا تصور کرے الم یعلم بان اللہ یری (کیا نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے) اس میں غور کرے اور اس پر مواظبت کرے اور یہاں تک مشغول ہو کہ اس صورت کے دیکھنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

مراقبہ معیت :۔ ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اس کے معنے کے ساتھ تصور اور یقین کرے کہ خلوت اور جلوت، بیماری تندرستی ہر حالت میں اللہ میرے ساتھ ہے۔ اسی خیال میں مستغرق ہو جاوے

مراقبہ اقربیت :۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) اس آیت پر معنی کے ساتھ غور کرے اور اس خیال میں محو ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قریب ہے

مراقبۂ وحدت :۔ ھو الاول والاخر (اس کا وجود ہر جگہ جلوہ فرما ہے ابتدا اور انتہاء میں وہی ہے) اس کو زبان سے کہے اور تصور کرے کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے اسی خیال میں مستغرق ہو جائے۔

مراقبہ فناء :۔ کل من علیہا فان (دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں اور اللہ بزرگ تر باقی رہے گا) اس کے معنی کا تصور کرے کہ تمام چیزیں فناء ہو جائیں گی اور ذات باری ہی ہمیشہ رہے گی اور دل کی آنکھ سے دیکھے اور اس خیال میں محو ہو جائے تاکہ اس کے معنی خوب منکشف ہو جائیں اور اپنے وجود

کو فنا اور علم و عقل کو اضمحلال ہوے

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے ۔۔۔ تری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے
علم حق در علم صوفی گم شود ۔۔۔ ایں سخن کے باور مردم شود
تو دریں گم شو کہ توحید ایں بود ۔۔۔ گم شدن گم کن کہ تفرید ایں بود

فنا کے مراتب

فنا کے چند مرتبے ہیں اور ہر درجہ کی ایک حد متعین ہے ۔ یہ ایسا ہی ہے جس طرح ذکر جسم، ذکر نفس، ذکر دل، ذکر روح، ذکر سر، پانچ درجے ذکر کے ہیں جن کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے ۔ اسی طرح فنا کے بھی پانچ درجے ہیں ۔ اول مرتبہ غلبہ ذکر زبانی جس کو ذکر جسمی بھی کہتے ہیں اس کے غلبہ سے برے اخلاق جو نفس امارہ کی صفات ہیں یہ صفات حمیدہ میں جن کا شرع نے حکم دیا ہے ۔ فنا ہو جاتے ہیں ۔

دوسرے ذکر فکری ۔ جس کو ذکر نفسی کہتے ہیں ۔ اس کے غلبہ سے نفسانی خواہشیں اور نفس لوامہ کی صفات فنا ہو جاتی ہیں کہ نفس جس کے اثر سے

انسان برے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے پروردگار کو بھول جاتا ہے
تو یہ نفس مرجاتا ہے اور اب انسان کوئی ایسی خواہش نہیں کرتا جو ناجائز اور
مذموم و قبیح ہو بلکہ اس کی خواہشیں وہی ہو جاتی ہے جو خدا کی خواہشیں ہیں۔
اب وہ احکام شرع کی مضبوطی سے پابندی کرتا ہے۔ اور مکاشفہ اور الہام
کا طریقہ جو نفس ملہم کا مقام ہے منکشف ہو جاتا ہے۔

تیسرے ذکر قلبی۔ اس کے غلبہ سے وجودات کے اوصاف و افعال موجود
مطلق اللہ تعالیٰ کے اوصاف و افعال میں فنا ہوں تاکہ ہر شے میں افعالِ
حق کا جلوہ نظر آئے اور اطمینان قلبی جو کہ نفس مطمئنہ کا مقام ہے حاصل ہو جاوے۔
چوتھے ذکر روح۔ اس کے غلبہ میں مشاہدہ کا حصول ہے کہ کثرت خدا کی یکتائی
میں فنا ہو جاوے یہاں تک کہ سالک کے مشاہدہ میں ذات مطلق کے
مشاہدہ کے سوا کچھ نہ ہو۔ یہ مرتبہ مشاہدہ کا ہے۔

پانچویں ذکر سرّی۔ اس کی تکثیر و غلبہ میں لذت اذکار اور معائنہ حاصل اور خلق سے
نفرت ہوتی ہے۔ اس مرتبہ میں مشاہدہ روح سے ترقی کر کے معائنہ کے
درجہ کو پہنچتا ہے اور ذکر روح میں فنا ہو کر فناء الفناء کا درجہ ہوگا اور یہ تفرید ہے۔
سالک اس مرتبہ میں سیر الی اللہ جو اس کا مقصد ہے اور سیر فی اللہ جس کا اس
کو تصور ہے تمام کر کے وجود سالک بالکل فنا ہو جاتا ہے لیکن یہ مرتبہ بہت کم ظاہر
ہوتا ہے۔ بعض حضرات کو ایک ہفتہ میں ایک یا دو لمحہ یا ایک دن میں ایک دو
لمحہ یا دو تین دن میں یا کم زائد میں۔ اس مرتبہ فنا کے بعد خدا تعالیٰ سالک کو فناء
سے بقاء دیتا ہے اور اکثر بعد الفناء بقاء ہوتا ہے اور اس مرتبہ کو جمع الجمع کہتے ہیں

اور یہ بقاء باللہ، رجوع الی البدایت کا نام ہے لیکن اُس وقت اور اِس وقت میں یہ فرق ہے کہ بندہ کی نظر پہلے مظاہر پر سطحی پڑتی تھی ۔ اب اس وقت سب سے پہلے ذات مطلق پر نظر پڑتی ہے ۔ اس کی ذات مطلق کے نور سے تعینات مظاہر کو دیکھتا ہے کیونکہ عارف ہر حالت اور ہر وقت میں خدا کے وجود کا تصور کرتا ہے اور کوئی چیز اس کو خدا کے دیکھنے سے اور خدا کا دیکھنا دوسری چیزوں کو دیکھنے سے نہیں روکتا ۔ کیونکہ عارف حقیقت انسانی تک جو کہ وہ الوہیت ہے پہونچ گیا ۔ اس کو خلق معدوم اور خدا موجود مطلق معلوم ہوتا ہے اور خدا کے علم کے ذریعہ سے اپنے کو مطلق قید میں آیا ہوا تصور کرتا ہے اور قیود کی وجہ سے اپنے کو بندہ سمجھتا ہے ۔ اور کہہ اٹھتا ہے ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ اس میں خدا تعالیٰ کے اوصاف پائے جاتے ہیں ۔ اس میں وہ خدا تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہے ۔ اس نے جمال اَسبَغَ علیکم نعمۃ ظاھرۃ وباطنۃ کو دیکھا ہے اور نورٌ علی نور ہو گیا ہے اور نور کی انتہا نہیں ہے ۔ اسی لئے کہا ہے ؎

ہیچکس ایں راہ را پایاں نیافت　　ہیچکس ایں درد را درماں نیافت
ہر چہ بروے میرسی بروے مایست　　اے برادر بے نہایت درگہے است

(ترجمہ) کسی نے اس درد کی دوا نہیں پائی ۔ اس میں راہ کی کوئی انتہا نہیں پائی اس درگاہ کی کوئی نہایت نہیں ہے جس پر تم پہونچو اس پر رک نہ جاؤ ۔ یعنی عشق کا کوئی علاج نہیں سوائے وصل کے پس سالک جس انتہائی درجہ پر پہنچ جائے وہی انتہائی مرتبہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی ذات اس سے بھی بلند تر ہے ۔

انتباہ:۔ سالک کو ذکر لسانی و قلبی میں تنہائی میں مجمع میں رات و دن مشغول رہنا چاہئے تاکہ اپنے کو اور اپنے ذکر کو بھول جاوے اپنے کو محو کر دے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ذاکر کے قلب پر انوار و اسرار الٰہی جلوہ فرما ہوں گے اور ان انوار کی روشنی میں جمال و تجلی حق حاصل ہو گی۔ لیکن اس نور کی طرف متوجہ نہ ہو کہ وہ بھی مخلوق ہی ہے اور مطلوب نہیں ہے اور حفظ مراتب ضروری ہے اور اچھے برے میں امتیاز لازم ہے۔ اس لئے اچھے اور برے انوار کے آثار و علامات بھی معلوم ہونا اور ان پر مطلع ہونا ضروری ہے۔

علامات انوار کا بیان

جب ذاکر باہتمام تقویٰ خدا کا ذکر کرنے لگتا ہے اور ذکر تمام اعضاء میں سرایت کر جاتا ہے اور غیر خدا سے دل پاک و صاف ہو جاتا ہے اور روحانیت سے تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے تو انوار الٰہی کا ظہور ہونے لگتا ہے اور وہ انوار کبھی خود اپنے میں دکھائی دیتے ہیں اور کبھی اپنے سے باہر۔ اچھے انوار وہی

ہیں جن کو سالک دل سینہ و سر یا دونوں طرف اور کبھی تمام بدن میں پائے یا کبھی داہنے بائیں کبھی سامنے سر کے پاس ظاہر ہوں وہ بھی اچھے ہیں لیکن ان کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیئے کہ کہیں لطف اندوز و متلذذ ہو کر خسارہ اٹھائے

تفصیل یہ کہ اگر کسی رنگ کا نور داہنے شانے کے برابر ظاہر ہو تو وہ فرشتوں کا نور ہے۔

۱۔ اگر سفید رنگ کا ظاہر ہو تو کراماً کاتبین کا ہے۔

۲۔ اگر سبز پوش خوبصورت آدمی یا کوئی اچھی صورت ظاہر ہو تو وہ فرشتہ ہے جو ذاکر کی حفاظت کے لئے آیا ہے۔

۳۔ اگر داہنے شانے سے کچھ ہٹا ہو یا آنکھ کے برابر ہے تو مرشد کا نور ہے

۴۔ اور سامنے ہے تو وہ نور محمدی ہے جو راہ مستقیم کی تعلیم فرماتا ہے۔

۵۔ اگر بائیں شانے کے متصل ظاہر ہو تو کاتب فرشتوں کا سینہ ہے۔

۶۔ اگر بائیں شانے سے دور ظاہر ہو خواہ کسی رنگ کا ہو شیطان کا نور ہے یا دنیا کا نور ہے۔

۷۔ اگر پیچھے یا بائیں طرف آواز ہو یا صورت ہو وہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ لاحول الخ پڑھنا چاہیئے۔ اعوذ الخ پڑھے توجہ نہ کرے

۸۔ اگر نور اوپر سے یا پیچھے سے آوے تو وہ نور ان فرشتوں کا ہے جو حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔

۹۔ اگر بلا کسی جہت کے نور ظاہر ہو اور دل میں خوف پیدا کرے اور اس کے رفع ہو جانے کے بعد باطنی حضور نہ رہے تو وہ نور شیطان کا ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم پڑھنا چاہئے۔

۱۰۔۔۔ اگر بلا کسی جہت نور ظاہر ہو اور اس کے زوال کے بعد حضور باطنی کی لذت نہ جائے اور اشتیاق و طلب اسی طرح غالب رہے تو وہی مطلوب نور ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

۱۱۔۔۔ اگر دھوئیں یا آگ کے رنگ کا نور سینہ یا ناف کے اوپر سے ظاہر ہو تو وہ خناس کا نور ہے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا چاہیئے۔

۱۲۔۔۔ اگر سینہ کے اندر یا دل پر ظاہر ہو تو وہ صفائی قلب کا نور ہے۔

۱۳۔۔۔ اگر سرخ یا سفید زردی مائل نور دل سے ظاہر ہو تو دل کا نور ہے۔

۱۴۔۔۔ اگر خالص سفید ہے تو روح کا نور ہے۔ جس نے طالب کے دل میں تجلی کر کے اپنی ہستی کو ظاہر کیا ہے۔

۱۵۔۔۔ اگر سر کی جانب سے ہے تو وہ نور بھی روح کا ہے۔

۱۶۔۔۔ اگر آفتاب کے رنگ کا نور ہے تو وہ بھی روح کا نور ہے اگر سامنے سے ہو۔

۱۷۔۔۔ اگر اوپر سے آفتاب کے رنگ کا نور ہے تو نور ذات ہے۔

۱۸۔۔۔ اگر چاند جیسا نور ہے تو دل کا ہے۔

۱۹۔۔۔ اگر چاند جیسا نور ہے اور سامنے سے ہے تو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۲۰۔۔۔ اگر کاجل کی سیاہی کی طرح تاریک اور اس کے گرد باریک اور مکدر نورانی خطوط ہوں تو وہ نور نفی کا ہے۔ اس طرف توجہ کرنے سے نفی

حاصل ہوگی اور ماسوی اللہ سے قلب کا صاف ہونا اور تجلی افعالی اور تجلّی صفاتی میں محویت اور فناء کا حصول ہے جو کہ مقصد اصلی ہے۔

۲۱۔ اگر آنکھ کی سیاہی کے مانند بلا گرد اگرد باریک مکدر نورانی خطوط کے ہے تو وہ نور تجلی ذاتی کا نور ہے اس میں عارف کا فناء الفنا ہے۔ اور بقا کا حصول ہے۔

انتباہ:۔ پہلے کہا جا چکا ہے اب پھر تاکید کی جاتی ہے کہ سالک کو چاہئے کہ انوار میں سوائے مطلوب کے کسی طرف نہ متوجہ ہو اور سرور ولطف حاصل نہ کرے بلکہ صرف نور الٰہی میں ترقی کرے۔ کیونکہ خدا کی تجلی کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

ذکر کے ساتھ جامع اذکار تلاوتِ کلام پاک اور نماز کی کیفیت کا بیان لازم ایمان ہے

سلوک الی اللہ کے تین طریقے تعلیم ہوتے ہیں۔ اول کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ذکر۔ دوسرے قرآن پاک کی تلاوت تیسرے نماز

ان تینوں کا ذکر اس آیت شریفہ میں ہے اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشآء والمنکر ولذکر اللہ اکبر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہی تین طریقے وصول الی اللہ کے رائج تھے۔

باقی تمام اذکار ان میں شامل ہیں۔ جن کی خوبیاں قرآن پاک، احادیث شریفہ اور آثار صحابہ سے ثابت ہیں اور یہ خوبیاں اور فضائل و برکات لاتناہی ہیں انسان ان کے بیان سے عاجز ہے ان کا پورا بیان نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کے طور پر مختصر یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی فضیلت اس درجہ ہے کہ ایک قدم لاالٰہ سے غیر خدا کی نفی پر ہے تو دوسرا قدم الا اللہ سے جناب الٰہی میں رکھ کر خدا سے مل جائے۔ اور قرآن شریف کی خوبیوں سے یہ جان لینا چاہیئے کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں حضوری اور اس سے ہمکلامی ظاہر ہوتی ہے۔ اور نماز میں یہ دونوں اور تمام دعائیں اور عبادتیں و تسبیحات اور اذکار ہیں اس کے مراتب لاتعداد ہیں۔ ان کو بھی انسان بیان نہیں کر سکتا۔

انتباہ:۔ اس سے یہ سمجھ میں آگیا ہوگا کہ جو سالک استغراق اور جذبہ کی زیادتی میں نماز نہیں پڑھتے وہ بہت سے مرتبوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کو مقصد اصلی بھی حاصل نہیں ہوتا ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ... کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جو شخص پیغمبر کے خلاف راستہ چلے گا ہرگز منزل کو نہ پہنچ سکے گا۔

نماز بندہ اور خدا کے درمیان ایک سیر ہے کہ مسلمان اس میں مشغول ہونے سے غیر خدا سے جدا اور خدا سے قریب ہو جاتا ہے۔ سلوک کا وہ طریقہ جو کلمہ طیبہ کے ذریعے

ہے۔اس کا بیان تو ہو چکا اب قرآن پاک کی تلاوت کی کیفیت اور نماز کی کیفیت کا بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن شریف کی تلاوت کا طریقہ

قرآن شریف پڑھنا بڑی عبادت ہے اور خدا تعالیٰ کے قرب کے لئے سوائے فرض کے ادا کرنے کے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں اس لئے اس کے آداب و مستحبات تلاوت کے وقت بہت ہی ملحوظ رکھ کر تلاوت کا ارادہ کیا جاوے اور پوری طہارت سے نہایت اخلاص کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ کے بعد خشوع و خضوع سے ترتیل کے ساتھ پڑھے یعنی اس طرح پڑھا جاوے کہ ہر ہر لفظ آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ ہو خلط ملط نہ ہو۔ کٹے کٹے حرف نہ ہوں ایسا نہ ہو کہ کچھ حرف سمجھ میں آئیں اور کچھ نہ آئیں۔صاف تمام پورے پورے حروف ادا ہوں۔ہر حرف کو صحیح مخرج سے ادا کیا جاوے اور اگر خوش الحانی خوش آوازی سے پڑھا جاوے تو بہت خوب ہے۔اور یہ خیال کرے کہ میں خدا سے باتیں کر رہا ہوں اور اس کو دیکھ رہا ہوں اگر اس پر قدرت نہ ہو تو یہ جانے

کہ خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے اور امر و نہی کا حکم دے رہا ہے اور بشارت کی آیت پر مسرور ہو اور وعید کی آیت پر ڈر ہو اور روئے اور ذرا آواز کے ساتھ خوش آوازی کے ساتھ پڑھے کہ اس سے لطف آتا ہے اور غفلت دور ہوتی ہے

تلاوت کا خاص طریقہ

خاص طریقہ تلاوت کا یہ ہے کہ جب طریق مذکور سے تلاوت میں ملکہ ہو جاوے تو اب اس کیفیت کے ساتھ تلاوت ہو کہ خلوت میں دو نفلیں ادب سے پڑھ کر بحضور قلب قبلہ رو بیٹھے کلام الٰہی کی حقیقت (کہ وہ کلام نفسی ہے خدا کی خاص اور ذاتی صفت ہے) اور اس کی عظمت کا اور اپنی ذلت کا تصور کرے اور اسی مراقبہ میں تھوڑی دیر رہے۔ تاکہ اطمینان حاصل ہو اور حضور حق حاصل ہو جاوے پھر اعوذ و بسم اللہ کے ساتھ ترتیل و تجوید کے ساتھ قرارت کرے اور یہ خیال کرے کہ منہ کی زبان اور دل کی زبان برابر تلاوت میں مشغول ہیں۔ اس خیال سے غافل نہ ہو اور اگر غفلت ہو جاوے تو ضروری ہے کہ قلب کو اعوذ بسم اللہ پڑھ کر حاضر کرے۔ جب اس طرح اطمینان خاطر اور حضوری حق حاصل ہو جاوے تو اب ترقی کرے اور خیال کرے کہ

ہر ہر رونگٹا جسم کا قرآن شریف پڑھ رہا ہے جسم کے ہر حصہ سے الفاظ نکل رہے ہیں تمام جسم درخت موسوی کا حکم رکھتا ہے۔ عین تلاوت کے وقت اس حالت میں خیال میں مستغرق ہو۔ جب یہ کیفیت راسخ ہو جاوے تو اس کے بعد اور ترقی کرے کہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ میری زبان سے پڑھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔ جب اس میں ملکہ پیدا ہو جاوے تو اپنے پڑھنے میں خیال کرے کہ خود خدا تعالےٰ پڑھتا ہے اور خود ہی سنتا ہے نہ سالک کا وجود ہے اور نہ دنیا کے دوسرے موجودات کا۔ بلکہ ایک آواز ہے جو ہر طرف سے آتی ہے اور سالک اس میں محو ہے۔

عزیز من! جب اس مرتبہ میں کمال ہو جاوے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے البعد ہے کہ حقیقی معنی اور قرآن پاک کے اسرار عبد پر ظاہر نہ ہو جائیں

نماز پڑھنے کا طریقہ

ہر مسلمان کو عموماً اور سالک کو خصوصاً لازم ہے کہ ہر عمل میں اور نماز میں ان کی روح مغز یعنی محبت قلبی کے ساتھ خلوص نیت اور درگاہ الٰہی میں قبولیت خدا کے حضور محویت کی حفاظت کرے۔ گویا یہ حقیقت صلوٰۃ اور روح صلوٰۃ مشکل ہے لیکن ہمت اور کوشش کرنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ آسانی پیدا فرمادیں وعدہ ہے۔ وَالذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کہ جو ہمارے راستہ میں کوشش کرتا ہے

ہم خود اپنا راستہ دکھادیتے اور مطلوب تک پہونچادیتے ہیں۔ اس لئے اس طریق پر بہمت سعی کرے۔

طریق کئی ہیں ان میں ایک طریق یہ ہے کہ خیال کریں کہ نماز کا دل خالص نیت ہے، اس کی روح حضور قلب ہے، اور نماز کا جسم قیام، رکوع قومہ سجدہ، جلسہ وقعدہ ہیں اور اس کے اعضائے رئیسہ ارکان اور حواس ترتیل قراءت کی درستی ہے اور نماز کے لئے پوری پاکی بھی شرط ہے بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی اور وہ دل کی پاکی ہے۔ یعنی غیر خدا سے دل کو صاف کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر اور قبولیت دل پر ہے۔ حدیث میں ہے۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم

تو جب قلب ناپاک ہو جسم کس طرح پاک ہو سکتا ہے کیونکہ جسم قلب کے تابع ہے اس لئے چاہئے کہ دل غیر خدا سے پاک ہو جائے امید وخوف مخلوق سے دل پاک ہو تاکہ اللہ اکبر کہنا درست ہو۔

جب تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھائے تو خیال کرے کہ میرا دل دونوں جہاں سے دست بردار ہوگیا اور پورا پورا اللہ کی طرف جھک گیا۔ اور یہ تصور کرے کہ اللہ اکبر کہہ کر میں نے اپنے نفس کو تکبیر سے ذبح کر کے فنا کر دیا۔ اور دونوں ہاتھوں کو زیر ناف سختی کے ساتھ دبا کر باندھے کہ وہ مقام لطیفہ نفس کا ہے تو اس طرح گویا نفس کو دبادیا اور نگاہ سجدہ گاہ پر رکھے اور مستغرق ہو جائے۔ رکوع میں نگاہ پاؤں کی پشت پر ہو، اور خدا کی بڑائی، کبریائی اور اپنی ذلت کا تصور کرے اور سجدہ میں ناک کے نتھنے پر نظر کرے اور

اس کی بلندی اور اپنی حقارت و خاکساری کا اور اپنے فنا کا تصور کرے اور بیٹھنے میں سینہ پر نظر رکھے اور اپنی محویت کے خیال میں مستغرق ہو جاوے اور التحیات کے معنی کا خیال کرے یہ خیال کرے میں خدا کے سامنے مجلس میں داخل ہو گیا ہوں۔ اور ہر نماز میں مقام احسان ان تعبد اللہ کانک تراہ کا تصور کرے یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ بات حاصل نہیں تو یہ تو ہے ہی کہ فانہ یراک وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس پر بھی کوئی خیال ذہن میں آوے تو لا صلوٰۃ الا بحضور القلب کے تصوّر سے دفع کرے اور اس قدر آواز سے پڑھے کہ خود خوب سن سکے۔ جب اس طرح نماز میں مشق کرے گا تو خدا کی مدد سے نماز حقیقی حاصل ہو جائے گی۔ اور حقائق و معارف ظاہر ہوں گے اور الصلوٰۃ معراج المؤمنین کا یہی مرتبہ ہے کہ دنیا و فیہا کا چھوڑ دینا اور خدا سے مل جانا ہے۔

اور قرارت و نماز میں قبولیت کا تصور کرے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد کی یعنی تعریف کی اور جب الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے نے میری بڑائی کی اور جب ایاک نعبد و ایاک نستعین کہتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور جو اس نے مانگا خاص اسی کے واسطے ہے۔ اور جب اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتا ہے تو فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ، کہ

یہ میرے بندہ کے واسطے ہے اور جو کچھ اس نے مانگا وہ سب اس کے لئے ہے۔ بس اس وقت جواب کے تصور میں محو ہو جاوے۔ اور قبولیت کا تصور کرے۔

بیعت کا طریقہ

پیر جس وقت بیعت کرنے لگے تو مرید کو اپنے سامنے باادب بٹھائے اور خطبہ پڑھے پھر آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ پڑھے پھر اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ـــــ پڑھے اور اپنا ہاتھ مرید کے ہاتھ پر رکھے اور پھر یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ وَنَفَعَنَا وَاِیَّاکُمْ وَبَارَکَ اللّٰهُ لَنَا وَلَکُمْ ـــــ پڑھے۔ اگر عورت مرید ہونے والی ہو تو پردے میں جہاں اس کا کوئی محرم بھی ہو بجائے ہاتھ کے رومال یا چادر کا کونہ اس کے ہاتھ میں دیدے۔ مرید زیادہ ہوں تو سب کو کپڑا دے کر پکڑ وادے اور خود ایک کونہ پکڑے پھر توبہ وغیرہ کرائے۔ اس طرح کہے جو میں کہتا رہوں آپ بھی

کہتے رہیں۔ میں توبہ کرتا ہوں کفر کی باتوں سے شرک کی باتوں سے تمام رسموں اور بدعت کی باتوں سے اور توبہ کرتا ہوں تمام بڑے گناہوں سے اور تمام چھوٹے گناہوں سے اورکہے رَضِیتُ باللّٰہ ربًّا و بالاسلام دِینًا وَّبِمحمدٍ نبیًّا صلی اللّٰہ علیہ وسلم کہ راضی ہوا میں اللّٰہ رب العزت کے ساتھ اور راضی ہوا میں دین اسلام کے ساتھ اور راضی ہوا میں نبی محمد صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھے پھر کہے کہ میں عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے گا میں پانچوں وقت کی نماز جماعت سے پڑھوں گا۔ عورت مرید ہو تو جماعت کا نام نہ لیں۔ رمضان المبارک کے روزے رکھوں گا۔ زکوٰۃ کے قابل مال ہوگا تو زکوٰۃ دوں گا۔ حج کے قابل روپیہ ہوگا تو حج کو جاؤں گا۔ اگر عورت ہو تو کہے کہ اگر حج کے قابل روپیہ ہوگا اور محرم بھی ساتھ ہوگا تو حج کو جاؤں گی۔ اور جہاں تک ہو سکے گا ہر چھوٹے گناہ اور بڑے گناہ سے بچوں گا۔ اگر اچانک خدانخواستہ کوئی گناہ ہو جائے۔ تو فوراً توبہ کروں گا۔ حقوق اللّٰہ نماز روزہ قضا ہوں گے ان کو ادا کروں گا۔ حقوق العباد میں کسی کا مالی حق اپنے ذمہ ہوگا اس کو ادا کروں گا یا معافی مانگوں گا اور معافی مانگنے میں کبھی عار نہ کروں گا۔ سب سے دل صاف رکھوں گا۔ غصہ سے سخت پرہیز کروں گا۔ آنکھ کان زبان منہ کی شدت سے نگرانی کروں گا پھر کہے کہ بیعت ہوتا ہوں فلاں[1]

---

[1] اپنا نام لے اور بالکل آخر میں اس پر ختم کرے کہ میں واسطہ ہوں اصل بیعت میرے شیخ سے ہوئی اور پھر شیخ کا نام لے

شخص کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ نقشبندیہ قادریہ سہروردیہ میں: پھر دعا کرے کہ اے اللہ ایمان کامل نصیب فرمائیو! آخر دم تک ایمان قائم رکھیو! رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

اللہ تعالیٰ سلسلہ کے برکات سے نوازیں۔ آمین۔

انتباہ:۔ ان مضامین کے بھروسہ شیخ سے مستغنی نہ ہوجائیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ فوائد باطن کے لئے اصلاح نفس حصول تہذیب اخلاق بلکہ کے لئے شیخ کی تعلیم کا اتباع بمنزلہ علت تامہ کے ہے وصول الی المقصود کا مدار اعظم شیخ کامل کا اتباع کامل ہے۔ تجربہ تو شاہد ہے ہی۔ تعامل اکابر و اسلاف مستقل دلیل ہے۔ خصوص ہمارے زمانہ سے قبل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی۔ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہم باایں کمالات علمیہ باتباع شیخ اصلاح کامل کے لئے شیخ کی طرف رجوع فرمانے والے ہوئے۔

سلوک نبوت، سلوک ولایت

سلوک دو قسم پر منقسم ہے سلوک نبوت اور سلوک ولایت۔ اور ہر ایک کے آثار اور خواص جُدا جُدا ہیں جو حسب ذیل لکھے جاتے ہیں۔ اولیاء میں کسی پر کسی وقت فیض نبوت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی فیض ولایت کا۔ اور کوئی کسی نبی کے تحت اور کوئی کسی نبی کے تحت۔

آثار سلوکِ ولایت

(۱) طریق ولایت والے کھانے پینے میں تکلفاً کمی کرتے ہیں

(۲) خلق سے نفرت کرتے ہیں

آثار سلوکِ نبوّت

(۱) طریق نبوت والے قصداً کمی نہیں کرتے جو ملتا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں۔

(۲) خلق کیطرف اللہ کے لئے رغبت کرتے ہیں لیکن خلق سے جی نہیں لگاتے۔

(۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے مگر طالب کو۔	(۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔
(۴) انکو اپنے مکاشفات وتحقیقات پر اطمینان ہوتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں اگر خلاف شرع نہ ہو	(۴) ان پر ادب غالب ہوتا ہے جیسا کہ صاحب شرع سے منقول ہوتا ہے۔ اس پر اپنی طرف سے بذریعہ کشف وغیرہ نہیں بڑھاتے اگرچہ وہ زیادہ خلاف شرع نہ ہو۔
(۵) ان کا انتہائی مقام رضا ہے	(۵) ان کا انتہائی مقام عبودیت ہے
(۶) ان پر ذوق وشوق غالب ہوتا ہے اور عبادت میں لذت طبعیہ آتی ہے	(۶) ان پر ذوق وشوق غالب نہیں ہوتا بلکہ ان کو عبادت میں بھی طبعی مزہ نہیں آتا یعنی اگر نہ آوے دلگیر نہیں ہوتے محض حکم ایزدی سمجھ کر عبادت کرتے ہیں
(۷) اہتمام سے دعا نہیں مانگتے	(۷) بمقتضائے ادعونی استجب لکم دعا مانگنا فرض سمجھتے ہیں۔
(۸) اسباب ظاہری کو ترک کردیتے ہیں۔ الا اسباب عادیہ	(۸) اوروں سے زائد اسباب سے متمسک ہوتے ہیں مگر بدون انہماک مقتضا کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ میں ڈو ڈو زرہیں پہنی ہیں۔
(۹) حضرت علی کے ساتھ طبعاً زیادہ محبت	(۹) ابوبکرؓ و عمرؓ سے زیادہ محبت کرتے ہیں

کرتے ہیں مگر اعتقادِ فضیلت ترتیب سے ہوتا ہے۔	
(١٠) شیخ کو سارے جہاں سے افضل سمجھتے ہیں اور اس پر شیفتہ ہوتے ہیں	(١٠) افضلیت کا یقین نہیں کرتے محبت کرتے ہیں۔
(١١) ان سے شرائع میں کبھی تسامح بھی ہو جاتا ہے اور وہ معذور ہیں۔	(١١) یہ شریعت پر بڑی پختگی سے عمل کرتے ہیں
(١٢) ان پر سکر غالب ہوتا ہے	(١٢) ان پر صحو (یعنی ہوشیاری) غالب ہوتا ہے۔
(١٣) بعض اوقات بعض مغلوبین جماعت سے بھاگتے ہیں کیونکہ انکو اخفا مقصود ہوتا ہے مگر اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ان کی نظر میں ابھی غیر باقی ہے۔	(١٣) جماعت کی پابندی کرتے ہیں ان کی نظر سے مقصودیت غیر کی بالکل نفی ہو چکی ہے۔
(١٤) اگر ظاہر شریعت کے خلاف شیخ حکم کرے تو اسے خلاف شریعت نہیں سمجھتے کسی تاویل سے کر لیتے ہیں مگر قطعیات میں نہیں۔	(١٤) یہ اگر خلاف ظاہر شرع کوئی حکم شیخ کی طرف سے ہو تو مخالفت کرتے ہیں مگر ادب کے ساتھ۔
(١٥) ان پر حب عشقی غالب ہوتی ہی	(١٥) ان پر حب ایمانی غالب ہوتی ہے
(١٦) اصحاب سلوک ولایت پر کبھی تشبیہ غالب ہوتی ہے۔	(١٦) اصحاب سلوک نبوت پر ہمیشہ تنزیہ غالب رہتی ہے۔

(۱۷) سلوک ولایت کا انتہائی مقام رضاء یا فناء الفناء ہے۔ یعنی باعتبار مقام تخلق کے رضاء اور باعتبار حال کے فناء الفناء ہے۔

(۱۷) سلوک نبوت کی انتہا مقام عبودیت ہے۔

(ف) اس تفصیل سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اولیاء خلاف شریعت چلتے ہیں کیونکہ ایک تو نصوص کا ظاہر ہے اس پر اصحاب حدیث چلتے ہیں۔ دوسرے نصوص کے معانی محض یا احکام ہیں۔ اس پر فقہا چلتے ہیں۔ تیسرے نصوص کے معنی المعنی۔ اس پر بعض احکام میں صوفیہ عامل ہیں۔ تو صوفیاء محققین کا عمل اور طریق بھی بلا اسناد شرع نہیں جیسا کہ تفصیل سے پہلے بیان آچکا ہے۔

اصطلاحاتِ تصوّف کا بیان

احوال و معارف

تصوف کی اصطلاحات دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جو مقاصد کے متعلق ہیں وہ تو شریعت سے الگ نہیں بلکہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات کی حقیقت وہی ہے جو شریعت میں مذکور ہے۔

دوسری وہ اصطلاحات ہیں جو امور زائدہ کے متعلق ہیں وہ شریعت سے جدا ہو سکتی ہیں۔ جیسے تجدد امثال، وحدۃ الوجود، شغل رابطہ وغیرہ، سو یہ صوفیہ کا لطیفہ ہے کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لئے اصطلاحیں مقرر کر لی ہیں ورنہ قرآن و حدیث سے جدا ہو کر صوفیاء کرام کوئی نئی بات نہیں کہتے۔

علمائے خشک ان کی اصطلاحات کو نہیں سمجھتے، ان پر اعتراض کر

دیتے ہیں جو کہ واقع میں ان پر اعتراض نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی فہم پر ہوتا ہے۔

انتباہ:۔ اصطلاحات تو ہر فن میں ہوتی ہیں۔ لہذا وہ باعث اعتراض نہیں ہو سکتیں۔

فرق[۱]:۔ مخلوق پر نظر کا ہونا۔ مخلوق کو مرآۃ مشاہدۂ انوارِ حق نہیں بنایا مصنوع سے صانع کی طرف توجہ منصرف نہیں کی۔ گویا عالم اس کی نظر میں تاریک ہے۔

جمع[۲]:۔ مشاہدہ و غلبۂ توجہ بحق سے مشرف ہونا۔ خلق کی طرف بالکل متوجہ نہیں کچھ التفات نہیں۔

جمع الجمع[۳]:۔ حق اور خلق پر نظر رکھنا یعنی خلق کو مراۃ حق بنانا۔ اس اعتبار سے خلق کی طرف توجہ ہے۔ مشاہدہ حق اول و بالذات ہے اور مشاہدہ خلق من حیث المراۃ ہے پس ایک حالت میں حق اور خلق پر نظر ہے

ربط القلب بالشیخ:۔ اس کی حقیقت شیخ سے ازدیادِ محبت ہے۔

فنا فی الشیخ:۔ مُرید و شیخ میں غایت تناسب و مناسبت ہونا۔ (اور یہ غایت اطاعت و محبت سے ہو جاتی ہے)

جذب بلا ذریعہ اکتساب و مجاہدہ جو احوال باطنیہ حاصل ہو جاتے ہیں اسی کو جذب کہتے ہیں اور اسے اجتباء

ومحبوبیت ومرادیت بھی کہتے ہیں۔

اتصال واتحاد:۔ اتحاد کی ایک صورت یہ ہے کہ دو چیزوں کی ذات ذاتاً مل جانا، ایک ہوجانا جیسے دودھ اور پانی کا مل جانا یہ تو اللہ تعالےٰ کی جناب میں محال ہے۔ عقلاً بھی نقلاً بھی۔ اور اس کا قائل ہونا، اعتقاد کرنا۔ الحاد و زندقہ وکفر ہے۔ دوسرے معنی اتحاد واتصال کے یہ ہیں، ایک شئے کا متبوع ومحتاج الیہ اور موقوف علیہ ہونا۔ اور دوسرے کا محتاج وتابع اور موقوف ہونا۔ ایسا علاقہ تعلق عام مخلوق کو خالق کے ساتھ ہے۔ اس کو عینیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ تیسرے معنی عرفی اعتبار سے ہیں یعنی محبت ومحبوبیت کا علاقہ وتعلق خاص دو شخصوں میں ہونا یہ علاقہ خاص مقبولان الٰہی کو اللہ تعالےٰ سے حاصل ہے۔

ابن الوقت وابوالوقت:۔ ابن الوقت کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ ایک وہ سالک جو مغلوب الحال ہو یعنی جو حالت اس پر وارد ہو اس کے آثار میں مغلوب ہوجاوے۔ اس کے مقابل ابوالوقت ہے یعنی وہ سالک جو اپنے حال پر غالب ہو کہ جس کیفیت وحالت کو چاہے، اپنے اوپر وارد کرلے۔ یعنی جس کیفیت کی طرف توجّہ وقصد کرے۔ اس کے آثار اس میں پیدا ہوجائیں۔ مثلاً انس، شوق، وجد، فنا وغیرہ۔ اور ابن الوقت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ سالک واردات مقتضیٰ وقت کا حق ادا کرے

خواہ وہ واردات اس پر غالب ہوں یا یہ ان واردات پر غالب ہو

انتباہ:- قرب کی دو قسمیں ہیں۔ قربِ فرائض۔ قربِ نوافل

قربِ فرائض یہ ہے کہ انسان تمام موجودات کے ادراک سے فنا ہو جائے اور اسکی نظر میں سوائے انوارِ الٰہی کے کچھ بھی نہ رہے ماسوی اللہ سے نظر اٹھ جائے فنافی اللہ کا یہی مطلب ہے یہ قربِ فرائض کا ثمرہ ہے۔

قربِ نوافل یہ ہے کہ سالک سے انسانی صفات زائل ہو جائیں اور خدائی اوصاف حاصل ہو جائیں اور صِبْغَۃَ اللہ اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ کا مصداق ہو جائے۔ جس کی تشریح یہ ہے۔

قربِ فرائض و قربِ نوافل

جب بندہ مومن ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے۔ تو اس کے صفات رذیلہ اور دواعیٔ شہوت و غضب زائل ہو جاتے ہیں اور اس کے نفس میں ایک ملکہ راسخہ حق تعالےٰ کی مرضیات سے محبت کا اور حق تعالیٰ کی نامرضیات سے بُغض کا پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے بلا تکلف اعمال حسنہ و افعال محمودہ صادر ہوتے ہیں اور اعمالِ قبیحہ و افعالِ ذمیمہ قریب قریب معدوم ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے فاذا احببتُہ کنتُ سمعہ الذی یسمعُ بہ و بَصرَہٗ الذی یبصر بہ و یدَہٗ التی یبطِشُ بھا و رجلَہ التی یمشی بھا۔ رواہ البخاری اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کا کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، بن جاتا ہوں

مطلب یہ ہے کہ اس کے اعضاء وجوارح سے سب افعال میری اپنی مرضی کے موافق صادر ہوتے ہیں، پس گویا میں ہی اس کے اعضا بن جاتا ہوں سو یہ کلام ارشاد ربانی تشبیہہ و تمثیل کے طور پر ہے اور اس حدیث شریف میں مجازاً حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے یہ سمیع و بصر کی نسبت عبد کی طرف ہے، صوفیاء کرام نے اس اطلاق کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ بندہ فاعل اور حق تعالےٰ آلہ بن جاوے، اور چونکہ اس حدیث شریف میں اس مرتبہ کا حصول کثرت نوافل پر ہے جیساکہ حدیث مذکور سے قبل جملہ ہے۔ لایزال عبدی یتقرب الیّٰ بالنوافل حتیٰ احببتہ فاذا احببتہ الخ اور مجاہدہ ریاضت میں تکثیر نوافل لازم ہے۔ خواہ نماز، روزہ، یا کثرت مراقبات، یا تقلیل مباحات، اس لئے صوفیاء کرام اتباعاً للحدیث اس مرتبہ کو قرب نوافل کہتے ہیں اور چونکہ اس میں صفات وافعال رذیلہ کا ازالہ ہوا ہے۔ اس لئے اس کو فناء صفات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ الحاصل قرب نوافل میں انسانی صفات زائل ہو جاتی ہیں اور خدائی صفات حاصل ہو جاتی ہیں اور اس طرح سالک صبغۃ اللہ اور تخلقوا باخلاق اللہ کا مصداق بن جاتا ہے۔

دوسرا قرب قرب فرائض ہے جو اس سے اعلیٰ درجہ کا ہے وہ یہ کہ عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہو جاوے کہ اپنی قدرت و ارادہ کو قدرت و ارادہ حق کے سامنے ذوقی طور پر کالفانی و کالعدم سمجھنے لگے اور افعال و اعمال میں بمنزلہ آلہ محضہ کے ہو جاوے اور حق تعالیٰ

کی مؤثریتِ مستقلہ پیش نظر ہو جاوے۔ اس کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ حق فاعل ہو جاوے اور عبد آلہ بن جاوے اور چونکہ یہ اول سے اعلیٰ ہے کیونکہ اول صرف فناء رذائل تھا فناءِ اختیار نہ تھا۔ اور اس میں فنائے اختیار ہے اس لئے اول سے یہ اعلیٰ ہے اور حدیث شریف میں تقرب بالفرائض کو تقرب بالنوافل سے اعلیٰ و افضل کہا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث شریف کا اول جزیہ ہے وَمَا تقرّبَ الیّ عبدی بِشَیٍٔ اَحبَّ اِلیَّ مِن اَداءِ ما افترضتُ علیہ اس لئے صوفیاء موافقتہ للحدیث اسکو قرب فرائض کہتے ہیں اور چونکہ اس میں سالک کو اپنی صفات ذاتیہ قدرت و اختیار بھی نظر نہیں آتا اس لئے اس کو فنائے ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔

تجرید و تفرید:۔ تجرید یہ ہے کہ اغراض دنیوی و اخروی کو ترک کر دینا۔ تفرید یہ ہے کہ کسی چیز کی اپنی طرف نسبت نہ کرنا۔ تفرّد یہ ہے کہ تمام غیر اللہ سے اپنے کو خالی کر لینا۔

تلوین و تمکین:۔ تلوین یہ ہے کہ سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا کبھی قبض کبھی بسط کبھی سکر کبھی صحو مبتدی کو یہ تغیرات کافی پیش آتے ہیں اور یہ مضر نہیں بلکہ لوازم سلوک ہیں لہٰذا پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ پریشانی سخت مضر ہے۔

تمکین یہ ہے کہ دوام طاعت و کثرت ذکر میں استقامت و مضبوطی کے ساتھ مشغول رہے۔ حسب استعداد آخر میں مناسب حالت محمودہ

پر قرار ہو جاتا ہے۔ اس کو تمکین کہتے ہیں۔ اسی تمکین کا نام توسط و اعتدال ہے اسی توسط کی وجہ سے اس اُمت کا نام امتِ وَسط ہے۔

انتباہ:۔ تلوین والا پہچانا جاتا ہے اور صاحب تمکین کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے اس کا پہچاننا مشکل ہوتا ہے

صاحب تلوین صاحب حال ہے۔ صاحب تمکین حقیقت شناس ہے صاحب تلوین راہ ہیں ہے۔ صاحب تمکین واصل ہو چکا ہے۔ تمکین کے بعد تمام کے حقوق بخوبی ادا ہوتے رہتے ہیں۔

تجلّی

ظہور کو کہتے ہیں اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ہر ایک کے جُدا آثار ہیں۔

تجلی ذاتی۔ سالک کے وُجود عُنصری کے صفات و آثار کچھ باقی ہیں تو اس تجلی کے وقت بے ہوش ہو جاتا ہے۔ جیساکہ موسیٰ علیہ السلام طور پر بے ہوش ہو گئے اور اگر وجود عنصری کے آثار بالکل فناء ہو گئے تو مشاہدہ کر سکتا ہے۔ جیساکہ قبل وفات شریف یہ خلعت خاص رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوا۔ اور بعد موت سب مومنین کو جنت میں مشاہدہ و دیدار ہوگا۔

تجلی صفاتی۔ اس کی علامت یہ ہے کہ صفات جلالی تجلی کریں۔ تو سالک

پُرخشوع وخضوع کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر صفات جمالی تجلی کریں تو سالک کو سرور وانس ہوتا ہے۔

تیسری تجلی افعالی۔ اس کی علامت یہ ہے کہ سالک کی نظر مدح وذم اور نفع وضرر، ردّ وقبول پر نہیں رہتی۔

تزکیہ:۔ جس طرح جسم ظاہری کے لئے ایک حالت صحت کی ہے اور ایک مرض کی۔ اسی طرح باطن کے لئے ایک حالت صحت کی ہے ایک حالت مرض کی۔ پس نفس کو امراضِ باطنہ سے پاک وصاف کرنا یہی تزکیہ ہے۔ اس کا شریعت میں نہایت درجہ تاکیدی حکم ہے۔ یہی مدار فلاح ٹھہرایا ہے۔

حال ومقام:۔ سالک کے قلب پر جو کیفیات غیب سے نازل ہوں جس میں اس کا کچھ اختیار نہیں اس کو حال کہتے ہیں۔

مقام:۔ سالک نے مرتبہ سلوک میں جو استقامت یعنی پختگی حاصل کی ہو وہ مقام کہلاتا ہے۔

مقامات سلوک وہی اعمال باطنہ ہیں جن کے حاصل کرنے کا شریعت نے امر کیا ہے۔ ہر مسلمان ان کا مکلف ہے۔ اس لئے سلوک کا مکلف ہے خصوصاً سالک ہمیشہ ان کے طے کرنے میں مشغول ہے۔ اس کو کسی وقت توقف نہیں ہوتا۔ مقام سالک کے تحت ہوتا ہے اور حال کے تحت سالک ہوتا ہے۔

حجابات

حجاب کے معنی پردہ ۔ رکاوٹ ہونا۔ کہتے ہیں مجھے ان کے پاس جانے سے حجاب ہوتا ہے ۔کسی چیز تک پہونچنے میں مانع کا ہونا چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک موقعہ پر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا آج زیادہ سے زیادہ قرب ہوا لیکن پھر بھی میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار حجابات تھے ۔ اب کشف سے اس کے متعلق بیان ہے کہ ہر لطیفہ میں دس دس ہزار حجابات ظلمانی و نورانی ہیں اور لطائف چھ ہیں ان کے علاوہ لطیفہ قالبیہ کو ملا کر سات لطیفے ہیں تو ہر لطیفے کے دس ہزار تو سات لطیفے کے ستر ہزار حجابات ہو گئے جب ذاکر بخلوص و صدق بطلب و فکر ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو ذکر سے ظلمت دفع ہوتی ہے ۔ اور لطیفہ کا نور سالک کو نظر آتا ہے ۔ یہ علامت ان حجابات کے اٹھ جانے کی ہوتی ہے ۔ مثلاً حجاب نفس کا شہوت و لذت ہے اور حجاب دل کا نظر کرنا غیرِ حق پر ہے ۔ حجاب عقل کا معانی فلسفیہ میں خوض و غور کرنا اور حجاب روح کا مکاشفات ہیں عالم مثال کے وعلیٰ ہذا

ان میں سے کسی کی طرف التفات نہ ہو مقصود حقیقی کی طرف متوجہ رہے اور غیر مقصود کی نفی کرتا رہے۔

اسی کو مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے۔

عشق آن شعلہ است کوچوں برفروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق براند　　در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت　　مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہو جاتا ہے تو معشوق کے سوا سب کو نذر آتش کر دیتا ہے۔ غیر اللہ پر لا کی تلوار چلا اور پھر دیکھ کہ لا کے بعد کیا رہتا ہے بس الا اللہ رہ جائے گا باقی سب ختم ہو جائے گا

مراتب حجابات

حجابات کے چار مرتبے ہیں (۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت۔ اصل یہ ہیں۔ ایک اور بعض نے کہا ہے (۵) ہاہوت

۱۔ ناسوت۔ یہ عالم انسان ہے ۲۔ ملکوت عالم ملائکہ ہے۔
۳۔ جبروت مرتبۂ تفصیل صفات ہے ۴۔ لاہوت مرتبۂ اجمال صفات ہے
۵۔ ہاہوت مرتبۂ ذات حق ہے

انتباہ:۔ یہ حجابات دراصل مقامات سلوک نہیں ہیں بلکہ مراتب وجود ہیں۔ ہاہوت و لاہوت و جبروت کا طے کرنا تو انسان سے محال ہے ذات و صفات حق کے مراتب کون طے کرسکتا ہے کیونکہ ممکن جو ذاتِ انسان ہے اس کا ذاتِ وجوب حق کی طرف انقلاب لازم آتا ہے اور یہ محال نہ ہے۔ اور ناسوت کے طے کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس میں تو آپ موجود ہی ہیں اور ملکوت میں پہنچنا ممکن تو ہے مگر اختیاری نہیں بعد موت کے خود بخود ہر شخص وہاں پہونچ جائے گا۔ مرتبہ لاہوت مرتبہ جبروت غیر مخلوق ہیں۔

غیر صفاتِ اجمالیہ و تفصیلیہ اس کا جسقدر انکشاف ہے وہ بیشک مقصود ہے۔ اب اور مرتبے جو مخلوق ہیں وہ حجاب ہیں ایک حجاب ملکوتی جو کہ وہ حجاب نورانی ہے دوسرا مرتبہ ناسوتی ہے جو کہ وہ حجاب ظلمانی ہے اور مرتبہ ناسوتی جو کہ نہایت گھٹیا حقیر ہے وہ کچھ ایسا حاجب نہیں کیونکہ شئے حقیر کی طرف کیا نظر لیکن مرتبہ ملکوتی کہ وہ نورانی ہے باعظمت ہے وہ زیادہ حاجب ہے۔ غرض دونوں قابلِ التفات نہیں۔ نہ نورانی نہ ظلمانی۔

سیر الی اللہ و سیر فی اللہ: تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے۔

دوسرے سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ شفا ہو گئی۔ امراض نفس کا ازالہ ہو گیا۔ اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو گیا اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا۔

یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد اور ارتفاع موانع اور معالجۂ امراض سے واقف ہو کر نفس کی اصلاح ہو گئی کہ اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی اعمال و عبادت میں سہولت ہو گئی الغرض نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہو گیا تو سیر الی اللہ ختم ہو گئی اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا۔ تعلق سابق میں ترقی ہوئی اسرار و حالات کا ورود ہونے لگا یہ غیر محدود ہے یہ وہ تعلق ہے کہ جس کے متعلق کہا گیا ہے۔ ؎

بحری ست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

یعنی عشق کا سمندر ایک ایسا سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں یہاں سوائے جاں سونپ دینے کے کوئی چارہ نہیں۔

صوفی

خیر القرون میں صحابی، تابعی، تبع تابعی امتیاز حق کے لئے کافی القاب تھے۔ پھر خواص کو زہّاد، عُبّاد کہنے لگے۔ پھر جب فتن و بدعات کا شیوع ہوا اور اہل زیغ بھی اپنے کو زہّاد، عبّاد کہنے لگے۔ اس وقت اہلِ حق نے امتیاز کے لئے صوفی کا لقب اختیار کیا۔ اور دوسری ہی صدی میں اس لقب کی شہرت ہوگئی۔ لفظ صوفی، صوف، صفاء، صُفّہ سے مشتق (بنایا گیا) ہے۔

جذب و سلوک: تربیت کے دو طریق ہیں ایک جذب دوسرا سلوک۔ جذب یہ کہ طالب پر ذکر و فکر و شغل و مراقبہ کے ذریعۂ محبت کا غلبہ کیا جاوے اور اعمالِ زائدہ نافلہ میں کم لگایا جاوے اور اس طریقِ محبت کے ذریعہ اس کو مقصود تک پہنچایا جاوے دوسرا طریق سلوک ہے وہ یہ کہ تلاوت کلام پاک اور نوافل و ذکر وغیرہ میں زیادہ مشغول کیا جاوے

مدارات و مداہنت:۔ مدارات کا حاصل اہل جہل کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ وہ دین کی طرف آجائیں اور اہلِ شر کے ساتھ نرمی کرنا ہے۔ تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے اور یہ دونوں صورتیں محمود و مطلوب ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اول تو یہ خود دین میں مقصود ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ مقصود دیں معین ہے کیونکہ کسی شریر کی ایذاء میں مبتلا ہو جانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے۔

مداہنت یہ ہے کہ بد دینوں کے ساتھ نرمی کرنا تاکہ ان سے مال وجاہ کا نفع حاصل ہو یہ ناجائز و حرام ہے۔

انتباہ:۔ مدارات حضرات صوفیاء کے خاص اخلاق میں سے ہے۔

نسبت:۔ اس کے لغوی معنی لگاؤ اور تعلق کے ہیں۔ اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص تعلق یعنی قبول و رضا کا تعلق اور بندہ کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ طاعت و ذکر کا۔ اس کو یوں سمجھو جیسے عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں تعلق ہوتا ہے۔

طریق حصولِ نسبت:۔ جب ذکر اللہ کی کثرت اور مجاہدات و ریاضات کی کثرت سے ظلمات نفسانیہ و کدورات طبعیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے تو قلب و روح کو حق تعالیٰ

کے ساتھ ایک مخصوص تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کو نسبت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی نسبت کے پیدا ہو جانے کا نام وصول ہے۔

انتباہ:۔ جب نسبت تعلقِ طرفین کا نام ہے۔ یکطرفہ تعلق کو نسبت نہیں کہتے۔ تو بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ محض یاد کا تعلق ہوتا ہے۔ اور یہ تعلق یکطرفہ ہے۔

دوطرفہ تعلق جو ہوتا ہے وہ عمل واطاعت سے ہوتا ہے جب انسان عمل واطاعت کرتا ہے اس وقت حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہوجاتا ہے اور اس کا اِلقاء ایک دم نہیں ہوتا۔ بلکہ رفتہ رفتہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ البتہ اس کی ظاہری علامت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال و اقوال، اعمال واحوال میں زیادہ تشبہ دیکھا جاوے ہر ہر بات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش ہو اور یہ اتباع عادت ہو جاوے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں۔

سُکر و صحو

سُکر۔ یہ ہے کہ وارد غیبی سے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز اٹھ جاوے۔

صحو۔ اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے۔

سکر کا واقعہ اور مثال:۔ حضرت جبریئل علیہ السلام کا دریا کی کیچڑ فرعون کے منہ میں ٹھونسنا ہے (رواہ الترمذی)

اس اندیشہ سے کہ اس کو رحمت الٰہیہ نہ پائے۔ باوجودیکہ مدار قبول ایمان کا قلب پر ہے بعد اجتماع شرائط۔ پھر بھی اس کے منہ میں کیچڑ دینا، یہ غلبہ سُکر ہی کے سبب سے تھا۔ اور اس غلبہ کا سبب غایت درجہ بغض فی اللہ تھا۔

اسی طرح دوسری مثال اور واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبیّ منافق کے جنازے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے

آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے منع نہیں فرمایا (بخاری مسلم ترمذی، نسائی)

یہاں پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قلب پر بغض فی اللہ کا ورود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات ہی نہ ہوا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قولاً فعلاً کیا معاملہ کر رہا ہوں۔ صورۃً ادب سے مستبعد ہے اور ایسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معذور رکھا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حالت صحو میں آئے تو حدیث شریف میں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو بعد میں اپنی اس جرأت پر تعجب اور ندامت ہوئی۔

غلبۂ حال:- یہ غلبہ جس طرح ناقصین کو ہوتا ہے اسی طرح گاہے کاملین کو بھی ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ حضرات انبیاء علیہم السلام پر بھی غلبہ ہو جاتا ہے چنانچہ واقعہ بدر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح کی دعا فرما رہے تھے اس میں یہ بھی فرمادیا اِنْ تَهلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ۔ یعنی اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر آج کے بعد سے کوئی آپ کی عبادت نہ کریگا۔ یہ اسی لئے فرمایا تھا کہ اس وقت آپؐ پر غلبۂ حال تھا۔

آپؐ کی امت کے بعض کاملین پر بھی غلبۂ حال ہوا۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ انھوں نے حالت سکر میں سبحانی

ما اعظم شانی کہا تھا۔ لیکن ان حضرات کاملین کو ایسا غلبہ حال نہیں ہوتا کہ مسلوب الحواس ہو جائیں، ذرا سے محرّک سے حالت سکر مُبدّل بصحو ہو جاتی ہے۔

انتباہ:۔ حالت صحو میں ضبط واجب ہے، اخفاء حال لازم ہے اور حالت سکر کے بعد حضرات صوفیاء صحو میں آکر اس کا تدارک توبہ وغیرہ سے کرتے ہیں گو توبہ ضروری نہیں ہوتی چونکہ حالتِ سکر، غلبۂ حال اور معذوری کی حالت ہوتی ہے لیکن چونکہ بہر حال کلمات غیر مشروعہ کا صدور رہا تو اس کا تقاضہ معذرت ہے اسلیئے یہ حضرات اس تقاضہ کو پورا فرماتے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کہ بلا اختیار کسی بزرگ کو کسی شخص کی ٹھوکر لگ جائے تو یہ شخص معلوم ہونے پر شرماتا ہے اور معذرت کرتا ہے علاوہ اس کے یہ بھی ہے کہ مخلوق کو ضلالت سے بچانا محفوظ رکھنا ہوتا ہے اس لئے بھی یہ حضرات تلافی کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامی جب حالت صحو میں آئے اور معلوم ہوا کہ میں نے حالت سکر میں سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو اس کا تدارک فرمایا جیسا کہ ان کے ملفوظات میں یہ نقل ہے کہ۔

ان قلت سبحانی ما اعظم شانی فانا مجوسیؐ فاقطعُ زُنّارِی واقول اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ یعنی اگر میں نے سبحانی الخ کہا ہے تو میں مجوسی ہو گیا اس لئے میں زنار توڑتا ہوں اور اشہدُ پڑھتا ہوں

قبض و بسط

واردات کا کسی مصلحت سے منقطع ہو جانا، خوف کا بڑھ جانا۔ کہ محبوب کی تجلی جلالی یعنی عظمت و استغناء کے آثار کا وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا، گھٹن، بچاوٹ، روکھی روکھی سی کیفیت ہونا، دل کا بے رونق و منقبض ہونا، قبض کہلاتا ہے۔

دلیل ثبوت قبض:۔ یہی وہ حالت تھی جو حضرت کعب پر غزوہ تبوک میں عدم شرکت کے باعث طاری ہوئی تھی جسکو ضیق ارض اور ضیق نفس سے تعبیر فرمایا ہے

اسباب قبض:۔ قبض کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ عدم رضائے حق ہی پر انحصار نہیں ہے پس حالت قبض ۱؎ جیسے سوء اعمال کی وجہ سے طاری ہوتی ہے کہ طاعات میں لذت مفقود ہو جاتی ہے ۲؎ اسی طرح کبھی یہ حالت فتور و کسل و ملال کی وجہ سے بھی طبعاً پیش آجاتی ہے۔ ۳؎ کبھی امتحاناً یہ حالت پیش آجاتی ہے کہ یہ سالک حق کا طالب یا لذت کا تو منجانب اللہ یہ حالت طاری اور وارد کی جاتی ہے جس سے امتحان مقصود ہوتا ہے۔

۴؎ بعض دفعہ سالک کی اصلاح کے لئے یا سنبھالنے کے لئے بھی بسط

کو سلب کر لیا جاتا ہے تاکہ عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔

انتباہ:- ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکیؒ قدس سرہٗ العزیز کا ارشاد ہے جس کو اس فقیر کے شیخ حضرت حکیم الامت التھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے نقل فرمایا کہ قبض حقیقۃً بصورت قہر لطف الٰہی ہے۔ یعنی صورۃً قہر ہے حقیقۃً مہر ہے۔ اسی کو مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے ؎

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو آن صلاح تست آئس دل مشو

کہ اے سالک جب تجھے قبض پیش آوے تو اس سے دل گرفتہ اور نا امید نہ ہو کیونکہ وہ تیری اصلاح کا ذریعہ ہے

انتباہ:- قبض منافع میں بسط سے بھی زیادہ ہے۔ گو وہ منافع بالفعل معلوم نہ ہوں۔ آگے چل کر معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور بالفرض معلوم نہ بھی ہوں۔ تو مقصود تو حاصل ہے اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ حصول کا علم۔

قبض کے منافع:- غایت انکسار، عبدیت کے آثار مثل مشاہدہ عجز و انکسار، ضعف اور غلبۂ انکسار و افتقار وفنائے دعویٰ کیا خوب کہا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

یعنی عقل و سمجھ کو تیز کرنا کوئی راہ نہیں ہے (اس سے مقاصد و اسرار حاصل نہیں ہوتے) بس شکستہ دل کے سوا بادشاہ حقیقی کا فضل

کوئی حاصل نہیں کرسکتا۔ یعنی اس کا فضل متواضع منکسر القلوب لوگوں پر متوجہ ہوتا ہے۔

اسی کو حق تعالیٰ بطور وعدہ فرماتے ہیں حدیث قدسی ہے اَنَا عِندَ المُنکسرۃِ قلوبھم۔ کہ میں لوٹے ہوئے دلوں کے پاس ہوں۔ انکسار والے دلوں کے پاس ہوں۔

قبض سے عجب کا علاج ہوتا ہے، عبدیت کی حقیقت کا اسمیں انکشاف و مشاہدہ ہوتا ہے، فنا، تہیدستی کھلی آنکھوں نظر آتی ہے۔ اور بھائی بڑی بات یہ ہے کہ اختیاری امور و اعمال کی پابندی ایسے ہی وقت دیکھنے کے قابل ہے اور محل امتحان ہے پس اگر اس امتحان میں پاس ہوگیا تو اعلیٰ درجہ کے نمبر کا مستحق ہوگیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اعلیٰ مقامات حاصل ہوں گے۔ قرب خاص عطا ہوگا۔

بسط

قبض کے مقابل حالت بسط ہے۔ یعنی آثارِ لطف و فضل کے ورود سے قلب کو سرور و فرحت ہونا بسط ہے۔

مشاھدہ: کسی امر کے استحضار اور خیال کا قلب پر غالب اور

قوی ہوجانا مشاہدہ کہلاتا ہے۔

دلیل:۔ جیسے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں۔ تو اس وقت ہم ایسے ہوتے ہیں گویا کھلی آنکھوں جنت و دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ تو حضرت حنظلہ رضی کے اس ارشاد سے مراد یہی غلبۂ استحضار ہے۔ مشاہدہ کے لغوی معنی مراد نہیں۔ بعضے ناواقفی سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں کہ مشاہدہ بمعنی رویت سمجھ کر الجھ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو جنت میں ہوگا دنیا میں نہیں ہوسکتا۔

حکمت و مصلحت:۔ یہ مشاہدہ جس کا حاصل غایت استحضار سے قوت کے ساتھ قلب پر ایک حضور کی کیفیت وارد ہوجانا ہے یہ مثل اسی ظاہری مشاہدہ اور رویت کے ہوتا ہے اس لئے اس کا ایک خاص اثر ہوتا ہے اور سالک کو اس سے بہت کچھ تسلی ہوجاتی ہے اس لئے یہاں عالم دنیا کے اعتبار سے اس استحضار تام ہی کو مشاہدہ کہا جاتا ہے۔

البتہ اس کا دوام بندہ کی مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ بندہ کو دوام مشاہدہ کا تحمل نہیں اس لئے کہ دنیا میں تجلی دائمی سے بندہ مغلوب ہوجاتا ہے اور ہر وقت ایک استغراقی کیفیت طاری رہتی ہے اور مغلوبیت میں اعمال کے اندر کمی آجاتی ہے۔ جس سے قرب کم ہوجاتا

ہے کیونکہ مدار قرب اعمال پر ہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مشاہدہ حضور و رویت سے منع تو کیا نہیں کیونکہ یہ سالک کے لئے اشد ہے۔ بلکہ یہ کیا کہ سالک کو مخلوق کی طرف بادائے حقوق متوجہ کر دیا۔ جنت میں بھی بعض اوقات لذائذ نفس کی طرف متوجہ کر دیں گے۔

اس کو اس مثال میں سمجھو کہ محبوب، معشوق نے دیکھا کہ عاشق بڑے غور سے اور بڑی دیر سے مجھ کو دیکھ رہا ہے اب محبوب کو اندیشہ ہوا کہ زیادہ نظر جما کر دیکھنے سے مر نہ جائے۔ اب اگر دیدار سے منع کرے تو یہ بہت سخت ثابت ہوگا اس میں سخت بے چینی ہو گی اور اس میں بھی وہی اندیشہ ہے کہ مر نہ جائے۔ اس لئے بجائے روکنے کے یہ کیا کہ خدمت میں لگا دیا کہ عاشق کو بازار بھیج دیا کہ جاؤ مٹھائی لے آؤ اس طرح اس کو محبوب سے کچھ استتار ہو گیا مگر کیفیت شوق میں اعتدال ہو جائے گا۔ اور تعمیل حکم محبوب کی بھی ایک خاص لذت ہے جو کہ قریب لذت دیدار ہی کے ہے اس طرح صاحب مشاہدہ کے لئے اللہ تعالیٰ محبوب حقیقی نے حضور تام تجلی کو باقی رکھ کر دیدار و مشاہدہ سے منع نہیں کیا بلکہ تجلی کو مستتر کر دیا اور عشاق کو دوسری طرف متوجہ کر دیا تاکہ عشاق کے دل پھٹ نہ نہ جائیں۔ اور شوق معتدل رہے۔

حقائق و معارف:۔ حقائق و معارف وہ مقبول ہیں جنکو شریعت رد نہ کرے۔ چنانچہ ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جو کتاب و سنت کے خلاف ہو میں اس کو قبول نہیں کرتا۔

ابو خراز کا قول ہے کہ جو باطن ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل و مردود ہے ان علوم کی دلیل کشف ہے۔

طریق حصول:۔ اگر کسی کو شوق ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع میں بمنزلۂ دولت لگ جاوے تو خود ہی حقائق اور معارف منکشف ہو جاوینگے اور یہ حال ہوگا مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیا　　بے کتاب و بے معید و اوستا

یعنی بغیر تعلیم و تعلم بغیر معلم انبیا علیہم السلام کے علوم منکشف ہو جاوینگے غرض یہ حقائق جن کو بھی حاصل ہوئے ہیں محض اطاعت ہی سے حاصل ہوئے ہیں۔

مثال:۔ مثال میں یوں سمجھو موٹی بات ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کا پورا مطیع ہو کر محبوب ہو گیا تو بادشاہ اسے خود ہی کبھی اپنے محل کی سیر بھی کرادے گا۔ کہ دیکھو یہ خزانہ ہے اور یہ چور دروازہ ہے۔ یہ ہماری بیگمات کی قیامگاہ ہے۔ یہ آرام گاہ ہے۔ تو بس اس کے حصول کا طریق یہ ہے کہ اپنے کو بادشاہ حقیقی کے سامنے بالکل فنا کردے اور اپنی عقل و فہم کو ناقص سمجھ کر چھوڑ دے اور کچھ دنوں خاک ہو کر دیکھے کیا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ　　خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

یعنی موسم بہار میں پتھر کب سر سبز ہوتا ہے۔ خاک ہو تا کہ پھر رنگا رنگ

تنزلاتِ ستّہ

یہ ظاہر ہے کہ مصنوعات سے صانع کا ظہور ہوتا ہے۔ مصنوع سے ہی صانع پہچانا جاتا ہے جب یہ بات مسلم ہے تو ذات باری تعالیٰ میں یہ امر کیوں نہ مسلم ہو گا کہ اس کی معرفت کا بھی یہی طریق اسلم و اسہل ہے۔

بس اب دوسری بات سمجھو کہ صانع میں ایک مرتبہ ذات کا ہے اور ایک صفات کا پھر صفات میں بھی ایک مرتبہ جامعیت اور اجمال کا ہوتا ہے اور ایک مرتبہ تفصیل کا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ ذات کا پتہ و نشان صفات سے لگا کرتا ہے اور اجمال کا پتہ تفصیل سے چلتا ہے جب یہ باتیں سمجھ میں آگئیں تو اب سمجھئے کہ مخلوقات سے خالق برتر اللہ تعالیٰ کے وجود کا ہمکو علم ہوا تو اس ظہور علوم کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم یعنی ظہورِ علمی مخلوقات سے ہوا پھر اسی قاعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفات تفصیلیہ سے صفات اجمالیہ کا

اور ان صفات اجمالیہ سے ذات کا پتہ لگے گا۔ لہٰذا اب یوں کہہ سکتے ہیں کہ اول ظہور اللہ تعالیٰ کا صفات جامعیہ و اجمالیہ سے ہوا پھر صفات تفصیلیہ سے ہوا پھر مخلوقات سے ہوا۔

اب مخلوقات میں ایک عالم ارواح ہے، ایک عالم اجسام۔ چونکہ ان میں غایت لطافت و کثافت کی وجہ سے کہ عالم ارواح لطیف ہے عالم اجسام کثیف ہے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے ان میں تعلق کیلئے ایک ایسی چیز پیدا کی جس کو دونوں سے مناسبت ہے اور اس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ اسی طرح مخلوقات کی ترتیب میں روح پہلے پیدا ہوئی پھر عالم مثال پھر عالم اجسام میں سب سے آخر انسان پیدا ہوا اور اس انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی صفتیں پیدا فرمائیں اس لئے اس انسان کو جامع کہتے ہیں۔

پس جس ترتیب سے مخلوقات پیدا ہوتی گئیں ظہور صانع و خالق کا بڑھتا گیا تو اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعد ظہور مرتبہ صفات تفصیلیہ کے عالم ارواح سے ظہور ہوا پھر عالم مثال سے پھر عالم اجسام سے پھر انسان سے۔

اس طرح دو مرتبے تو ظہور کے صفات میں نکلے اور چار مخلوقات میں۔ یہ چھ ظہور علی الترتیب ہوئے، ان ہی چھ ظہور کو تنزلات ستہ کہتے ہیں۔ تنزل ان حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں ظہور کو کہتے ہیں نہ کہ آسمان سے زمین پر آنے کو۔ بلکہ انسان کے اندر ظہور حق یعنی صفات حق آجانے کو تنزل یعنی ظہور کہہ سکتے ہیں حلول نہیں اس کا اعتقاد تو کفر ہے۔

پس تنزلات کے تو چھ مرتبے ہوئے اور وجود کے سات مرتبے ہیں کیونکہ ایک مرتبہ وجود کا خود ذات حق ہے۔ اس مرتبہ ذات حق کو ہاہوت کہتے ہیں۔ اور مرتبہ صفات اجمالیہ کو لاہوت، اور حقیقت محمدیہ اور مرتبہ صفات تفصیلیہ کو جبروت اور اعیان ثابتہ وحقیقت آدم اور عالم ارواح اور عالم مثالی کو ملکوت اور عالم اجسام کو ناسوت اور عالم انسان کو مرتبہ جامعہ کہتے ہیں۔

انتباہ:۔ یہ سب اصطلاحی الفاظ ہیں ورنہ یقینی بات ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام مخلوق الہٰی سے ہیں نہ کہ صفات الہٰی سے۔ ذات وصفات الہٰی میں ترتیب صرف اعتباری ہے۔ یہ نہیں کہ کسی وقت میں صفات الہٰی اللہ تعالیٰ میں نہ تھیں۔ نعوذ باللہ۔ پھر دفعتاً پیدا ہو گئیں۔ اس طرح تو صفات کا حادث اور مخلوق ہونا لازم آوے گا اور یہ اعتبار بالکل باطل ہے۔ البتہ مخلوق ہر طرح حادث ہے۔

تجدد امثال:۔ ایک ہی چیز کا نئے نئے طور پر آتے رہنا لیکن غایت اتصال وتشابہ کے سبب امتیاز نہ ہونا یہ تجدد امثال ہے۔ اب سمجھئے کہ مخلوقات اپنے وجود میں ہر وقت فیضان الہٰی کی محتاج ہے۔ اگر ادھر سے وجود کی حفاظت نہ ہو تو فوراً نیست ونابود ہو جائے تو اہل کشف کی تحقیق یہ ہے۔ کہ وجود ہر آن میں جدا آتا ہے مگر اتصال اور وجودات کے تشابہ باہمی کی وجہ سے تغایر وامتیاز نہیں ہوتا اور نہ

ہی درمیان کا عدم بوجہ غایت اتصال، معلوم ہوتا ہے۔

مثال:۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ چراغ ہے کہ اس میں بتی ہے۔ اس بتی کے سرے پر جو آگ کا شعلہ (لو) ہے۔ اس میں چراغ سے ہر وقت نیا تیل آتا ہے۔ اور وہ فنا ہو کر دوسرا آتا ہے۔ اسی طرح تمام تیل ختم ہو جاتا ہے۔ مگر احساسی طور پر ہمیں ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ پہلا تیل کب فنا ہو گیا اور دوسرا کب آیا اسی کو تجدّدِ امثال کہتے ہیں۔

وحدۃ الوجود

وجود حقیقی ذات واجب واحد کے لئے ہے۔ دوسرے موجودات ممکنات جو بالذات معدوم تھے ذات واجب کے ایجاد سے بعد العدم موجود ہوئے تو جس طرح اپنے وجود میں ذاتِ واحد واجب کے محتاج ہوئے اسی طرح اپنے بقا میں بھی محتاج ہیں۔ اور ہر وجود حیات میں ذی افتقار الی الذات الواجب ہے۔ پس ایسی ذات واجب کے روبرو

دوسرے موجودات کا وجود نہایت حقیر وضعیف اضعف وانقص و مضمحل ہوتا ہے اور کالعدم ہوتا ہے۔ یہی معنی ہیں وحدۃ الوجود کے۔ یعنی کل ممکنات تو موجود ظاہری ہیں لیکن حقیقت میں کوئی موجود نہیں۔ ہستی کامل کے ساتھ کوئی موجود نہیں بجز ذات حق کے' اسی کو ہمہ اوست سے تعبیر کرتے ہیں بمطابق محاورات روزمرہ جیسے کوئی حاکم ضلع سے یا اور کسی حاکم اعلیٰ سے فریاد کرے۔ اور وہ حاکم کہے کہ تم نے پولیس میں رپورٹ کی، تم نے وکیل سے مشورہ کیا؟ اور وہ فریادی کہے کہ جناب میرے تو پولیس، وکیل، تھانہ، عدالت سب آپ ہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے کہنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ حاکم، وکیل، پولیس سب ایک ہی ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وکیل، پولیس یہ سب آپ کے سامنے قابل شمار نہیں آپ ہی صاحب اختیار ہیں۔ اسی طرح یہاں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمہ اوست کے یہ معنی نہیں کہ ہمہ (سب) اور او (وہ) ایک ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی قابل اعتبار نہیں صرف او کی ہستی قابل شمار ہے۔ پس ہمہ اوست کے یہ معنی ہوئے کہ جتنے موجودات ہیں ہستی تو ان کی بھی ہے مگر ان کی ہستی اس ذات کامل کے سامنے محض ایک ظاہری ہستی ہے حقیقی یعنی کامل نہیں۔ تو گو ممکنات موجود ہیں کہ خالق برتر نے ان کو وجود دیا ہے۔ پھر موجود کیوں نہ ہوتے لیکن وجودِ حق کے سامنے ان کا وجود نہایت ناقص، ضعیف وحقیر ہے۔ اس لئے وجودِ ممکن کو وجود حق کے روبرو گو عدم نہ کہیں لیکن کالعدم ضرور کہیں گے۔ اور جب کالعدم

ہوا تو وجود معتد بہ ایک ہی ہوا۔ یہی معنی وحدۃ الوجود کے ہیں۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے وجود کا ایک ہونا۔ سو ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گو دوسرا بھی ہے مگر بس ایسا ہی ہے جیسا کہ نہیں ہے۔ اسی کو مبالغۃً وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔ پس حضرت حق جلّ و علا کو حیؔ سمجھو اور ممکن کو مثل مُردہ۔ چنانچہ مردہ کی نعش کسی درجہ میں وجود رکھتی ہے۔ آخر جسم تو ہے ہی مگر زندہ کے سامنے اس کی کیا ہستی ہے۔ کچھ بھی نہیں زندہ کا محتاج ہے۔ ہلنے، حرکت کرنے، کروٹ لینے میں زندہ کا محتاج ہے، کپڑے اتارنے نہانے میں زندہ کا محتاج ہے، کپڑے پہننے میں زندہ کا محتاج ہے، ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف چلے جانے میں منتقل ہونے میں زندہ کا محتاج ہے۔ پس مُردہ کی ہستی ناقص ہے۔ اور زندہ کی ہستی کامل اور کامل کے سامنے ناقص بالکل مضمحل اور ناچیز محض ہے۔ یہ حقیقت ہے مسئلہ وحدۃ الوجود کی۔

اور یہ مرتبہ تحقیقِ علمی میں توحید کہلاتا ہے جس کی تحصیل (حاصل) کرنا محض درجۂ تحقیق میں یعنی مرتبہ تحقیق تک رہ جانا کوئی کمال نہیں۔ توحید تو بلا اس تحقیق کے عوام کو بھی بہت پختہ علم کے ساتھ حاصل ہے۔ ہاں جب مرتبۂ حال میں آجائے کہ سالک کا حال بن جائے تو بیشک انفع ہے۔ کہ اس مرتبہ میں فنار کہلاتا ہے اور یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے یہی حاصل وحدۃ الشہود کا ہے جس کی دلالت اس معنی پر بہت ہی ظاہر ہے اس کا ترجمہ ہے ایک ہونا شہود کا یعنی واقع میں تو ہستی متعدد ہیں

مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور سب کالعدم معلوم ہوتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے بہت واضح مثال میں اس کو سمجھایا ہے کہ جگنو سے کسی نے پوچھا کہ تو رات کو مانند چراغ کے چمکتا ہے۔ دن کو باہر کیوں نہیں نکلتا۔ کہاں گم ہو جاتا ہے؟ تو جگنو نے بہت ہی اچھا جواب دیا ؎

منم روز و شب جز بصحرا نیم
ولے پیش خورشید پیدا نیم

کہ میں رات دن صحرا ہی میں رہتا ہوں لیکن سورج کے سامنے ایسا ہو جاتا ہوں کہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس کی روشنی کے سامنے میری روشنی ظاہر نہیں ہوتی۔

پس وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف لفظی ہے چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے۔ اس لے محققین نے اس کا عنوان بدل دیا۔

دلیل نقلی:۔ اس کی یہ ہو سکتی ہے کل شیئ هالک الا وجهه جیساکہ شارح عقائد نسفیہ نے تفسیر کی ہے۔

حقیقت احوال و کیفیات

اصلاح باطنی کے ساتھ بہت سے اموراس سے متعلق ہیں۔ ان متعلقات میں سے بعض امور وہ ہیں جو بمنزلہ ثمرات غیر اختیاریہ کے ہیں ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں۔ مگر یہ دین میں مقصود نہیں اس لئے کہ دین میں مقصود و مطلوب وہ امور ہوتے ہیں جو بدون تحصیل حاصل نہ ہوں بلکہ ان کا حصول صرف اختیار پر موقوف ہو۔

انتباہ:۔ اکثر سالکین اس بات سے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت ضعیف ہوگئی یا فلاں کیفیت زائل ہوگئی شاید ہم کو تنزل ہوگیا۔ پھر وہ اس سے مایوس اور شکستہ دل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خوب سمجھ لیں کہ کاملین محققین نے تحقیق فرمائی ہے کہ حالات کا غلبہ دائم نہیں ہوتا۔ بالخصوص مبتدی کے لئے، کہ مبتدی کو بہت تغیر و تبدل پیش آتا ہے۔ جس کو تلوین

ہوا، رقت طاری ہوئی، رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور منتہا اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے رُک گئے یہ فعل ہے اور یہی مقصود ہے
اسی طرح محبت ہے کہ اس کا ایک مبدء ہے دوسرا منتہا۔ مبدا یہ کہ دل میں عشق کی دُھن پیدا ہوئی اور محبوب کے خیال میں محویت ہوئی اور یہ انفعال و تاثر ہے۔ اور منتہا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی کی طلب میں لگ جاوے۔ یہی مطلوب ہے
ان مبادی یعنی تاثر و انفعال سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفات میں مبادی نہیں ہوتے۔ بلکہ غایات و نہایات اور صفات کے منتہا یعنی صرف افعال ہوتے ہیں پس جس شخص کے اندر خوف اور محبت کی کیفیت یعنی انفعال کی حالت غالب نہ ہو مگر افعال پر استقامت ہو کہ معاصی سے پوری طرح بچتا ہے اور طاعات کو بجالاتا ہے تو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف ان کے غایات پائے گئے اور یہ شخص متخلق باخلاق اللہ ہے یہی مقصود ہے اور یہ حاصل بلکہ بدرجہ کاملہ حاصل ہے۔
اور جس شخص میں اول مبادی و تاثرات پائے جائیں پھر غایات و افعال پائے جائیں تو یہ شخص ابھی اس درجہ کا متخلق باخلاق اللہ نہیں ہے اس درجہ کا کامل نہیں ہے۔

انتباہ اشد ضروری:۔ احوال دو قسم کے ہیں محمود اور مذموم۔ معیار یہ ہے کہ جو کیفیت کسی گناہ کے

کہتے ہیں۔ اور اہل تمکین کو بھی گاہے انکے مرتبے کے موافق حالت میں تفاوت ہوتا ہے یہ لوازم سلوک سے ہے۔ مضر نہیں ہے اس لئے اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔ کہ پریشانی مضر چیز ہے۔

انتباہ ضروری:۔ سالکین احوال و کیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتے ہیں۔ خواہ حاصل ہی نہ ہوں۔ یا حاصل ہو کر ختم ہو جائیں۔ پھر کیفیات طاری نہ ہوں۔ تو یہ فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ بدون غلبۂ احوال کے استقامت حاصل ہو۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام سلوک کا مقصد حضرت حق میں فناء ہونا ہے یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینا ہے اور متخلق باخلاق اللہ ہونا ہے۔ ارشاد ہے تَخَلَّقُوا باخلاق اللہ۔ صبغۃ اللہ۔

اور ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبدء دوسرا منتہا۔ مبدء۔ انفعال یعنی تاثر کا ہونا ہے اور منتہا فعل ہے۔ مقصود فعل ہے نہ کہ انفعال۔ اب اس کو یوں سمجھئے کہ مثلاً ہمارے اندر محبت و شفقت کا مادہ ہے تو اب اس کا ایک تو مبدا ہے دوسرا اس کا منتہا ہے مبدء یہ ہے کہ کسی کی حالت مصیبت دکھ کی دیکھ کر دل دکھتا ہے یہ انفعال اور تاثر ہے۔ اس کے بعد اس شخص کے ساتھ جو ہمدردی کی اس کی اعانت و امداد کی یہ منتہا ہے۔ جو کہ یہ فعل ہے اور صفت رحمت سے مقصود یہی فعل ہے۔ اسی طرح خوف ہے کہ مبدء، وہی تاثر و انفعال ہے جو کہ خدا تعالیٰ کے عظمت و جلال کے خیال سے دل پر

سبب ہو جاوے وہ مذموم ہے اور جو ایسی نہ ہو وہ محمود ہے۔ یعنی کیفیت محمودہ وہ ہے جس سے طاعت میں ترقی ہو۔

یہ اس لئے کہا کہ بعض اوقات معاصی کیساتھ بھی بعضے احوال نفسانیہ باقی رہتے ہیں جیسے وجد و استغراق، شوق و شگفتگی اور حیرت وغیرہ پس ان کے بقاء سے دھوکہ میں نہ آئے کہ میں ایسا مقبول ہوں کہ معصیت سے بھی مقبولیت میں خلل نہیں پڑا۔ یہ احوال محض کیفیات نفسانیہ مثل فرح و سرور کے کیفیات طبعیہ ہیں۔ اور یہ سب کیفیات دنیوی امور ہیں۔ دین نہیں اور دنیا کا عطا ہوتے رہنا رضا و مقبولیت کی دلیل نہیں۔

ان احوال کو نسبت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ نسبت معاصی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ ایسی کیفیات ظلمانی ہیں۔ ان کا اثر یہ ہے کہ اگر سالک کو اول وہلہ میں ان کا احساس نہ بھی ہوا ہو تب بھی سالک سلیم الطبع ان سے خود گھبرا جاتا اور ان کو دفع کر دیتا ہے پھر ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ بخلاف کیفیات نورانیہ کے کہ وہ طاعات کی ترقی کے موجب ہوتے ہیں۔ اس لئے سالک ان سے متلذذ ہوتا ہے ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ ان کی طرف التفات کرنے لگتا ہے۔ اس لئے یہ حجاب بن جاتی ہیں مقصود میں۔ لہٰذا ان کو حجب نورانیہ کہتے ہیں۔

اور حجب نورانیہ، حجب ظلمانیہ سے اشد ہیں کیونکہ پہلے عرض

ہو چکا ہے کہ سالک سلیم الطبع ان حجب ظلمانیہ کو خود ہی دفع کرتا ہے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا حجب نورانیہ کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہیئے۔ سالک مقصود اصلی سے رہ جاتا ہے۔

پس نہ ان کی طرف متوجہ ہو نہ ان کے دفع کا شدید اہتمام ہو۔

الغرض ۔ جو کیفیت محمودہ نورانیہ آوے۔ غنیمت جانیں ہاں اپنی طرف سے نہ ان کے خواہشمند ہوں۔ نہ اگر جاتی رہنے پر پریشان ہوں۔ بس اپنے کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کریں تفویض تام ہو کہ جو ہوگا بہتر ہوگا۔ خواہ حصول کیفیات محمودہ نورانیہ یا عدم حصول۔

الہام :۔ کسی حقیقت کا بلا نظر و اکتساب قلب میں القاء ہو جانا الہام ہے۔ یا کسی ہاتف غیبی کی آواز کا آجانا۔

دلیل :۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں عمر ہوں اور مجھے تو حاکم بننے کا شوق نہ تھا لیکن مجھے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی وصیت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کا القاء فرمایا تھا۔

انتباہ :۔ الہام کی مخالفت سے گناہ تو نہیں ہوتا مگر دنیا کا ضرر ہو جاتا ہے۔ اور ضرر کی ایک قسم تو یہ کہ دنیوی مال اور جان کا ضرر ہو۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ذوق و شوق میں کمی آجاوے چونکہ اس کو بھی دنیا کی شئے کہا گیا ہے۔ اور الہام کی مخالفت سے اکثر اسی قسم کا نقصان ہو جاتا ہے اور ذوق و شوق کو جو دنیوی چیز کہا جاتا ہے یہ اس

لئے کہ یہ ایک نفسانی کیفیت ہے جو اہل دین کے ساتھ خاص و مختص نہیں ہے۔ گو وہ بعض احوال میں معین دین بھی ہو مگر مطلوب بالذات نہیں۔ بلکہ بعض دفعہ اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

فراستِ صادقہ:۔ یہ منجملہ احوال رفیعہ کے ہے۔ سچی اٹکل جو واقع کے مطابق ہو اس کو فراست کہتے ہیں۔ یعنی ذکر اللہ کی مواظبت و کثرت حسب فرصت و صحت اور تقویٰ کی مداومت سے صفاء قلب حاصل ہوتا ہے۔ اس سے اکثر وجدانی طور پر واقعات کے حقائق مدرک ہونے لگتے ہیں اس کو فراست کہتے ہیں گویا وہ کشف کا ایک شعبہ ہے۔

دلیل:۔ حدیث شریف میں صراحتہً وارد ہے۔ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ (ترمذی شریف) کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔ نور اللہ سے مراد یہی صفا قلب ہے۔ جس کا سبب ذکر اور تقویٰ ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک شخص نظر بد کر کے حاضر ہوا۔ تو فرمایا۔ مابال اقوام یترشح الزنا من اعینہم۔ عام عنوان میں ارشاد فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ یہ وہی فراست کاملہ و صادقہ تھی۔

اہل اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

پیش اہل دل نگہدارید دل
تا نباشی پیش آں خوار و خجل

کہ اہل اللہ کے سامنے دل کی حفاظت کرو کہیں وہ حال دل پر مطلع ہو جائیں اور وہ اس پر کچھ بیان فرمادیں تو تمہیں شرمندگی ہو۔ چنانچہ ہمارے حضرت شیخ حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو حق تعالیٰ نے ایسی فراست عطا فرمائی تھی کہ طرز گفتگو سے انداز طبیعت انھیں معلوم ہو جاتا تھا فرمایا کرتے تھے کہ میری سو تجویزوں میں سے سو نہیں تو ننانوے تو ضرور صحیح ہوتی ہیں۔ جن کا اقرار خود اصحاب واقعات نے کیا البتہ دوسروں پر بدون دلیل شرعی حجت نہیں۔ نیز اسی فراستِ صادقہ کی بنا پر زبانی کلام اور تحریر سے اندرونی امراض کا حال معلوم کر لینا تو اب بھی بہت سوں کو حاصل ہے۔

کشف:۔ یہ بھی ایک حال رفیع ہے جبکہ اتباع شرع کے ساتھ ہو عالم غیب کی اشیا کا منکشف ہونا کشف کہلاتا ہے۔

دلیل:۔ بخاری و مسلم و ترمذی شریف میں حضرت انس بن نضرؓ کا قول مروی ہے فرمایا کہ میں جبل احد کے نیچے سے جنت کی خوشبو پاتا ہوں۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے غزوہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے۔ جن پر سفید کپڑے تھے۔ اور سخت لڑائی لڑ رہے تھے میں نے ان کو نہ پہلے کبھی دیکھا تھا نہ بعد میں دیکھا یعنی

یعنی وہ دونوں فرشتے جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام تھے۔ (بخاری مسلم)
ان کا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظر آجانا حدیث میں صراحۃً مذکور ہے تو مدلول حدیث کشف ملائکہ ہے۔

کشف دو طرح پر ہے:۔ کشف کونی۔ کشف الٰہی۔ کشف کونی یہ کہ باوجود بُعد مکانی یا زمانی کے کسی چیز کا حال معلوم ہو جائے۔ وہ بعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے۔ کشف الٰہی یہ کہ علوم واسرار ومعارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات وصفات کے اس کے قلب پر وارد ہوں یا عالم مثال میں یہ چیزیں متمثل ہو کر مکشوف ہوں اور واردات غریبہ ومواجید مثل ذوق وشوق محبت وانس وہیبت اور انکشاف اسرار احکام وحسن معاملہ فیما بینہ و بین اللہ وغیرہ فائض ہوں۔ یہ علوم کشفِ الٰہی کہلاتے ہیں۔

انتباہ:۔ یہ ایسے احوال عجیبہ ومجوبہ ہیں کہ ان کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہے۔

انتباہ:۔ کشف کونی، کشف الٰہی کے سامنے نہ لذت میں اس کے گرد کو پہونچتا ہے نہ قرب میں اس کو کوئی دخل ہے۔

انتباہ:۔ بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملائکہ کا کشف تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔

یہ انتباہ اور تحقیق اس درجہ کی ہے کہ جو شخص اس سے آگاہ ہو جائے گا وہ کشف میں اپنی فہم و رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا۔ اور بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔

انتباہ:۔ بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے ان کے اختیار میں نہیں یہ یہاں تک کہ نبیوں کا کشف بھی ان نبیوں کے اختیار میں نہیں۔

دیکھ لیجئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی اور جب خبر آنے کا وقت آیا تو میلوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کی خوشبو آنے لگی۔ تو بس معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہوا کرے۔

انتباہ:۔ یاد رکھیے کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ یہ مجاہدہ و ریاضت سے کافر کو بھی ہونے لگتا ہے۔ مجنونوں کو بھی کشف ہوتا ہے اس لئے کشف بالکل قابلِ التفات نہیں ہے۔

کرامت:۔ کرامت یہ ہے کہ جو کسی نبی کے متبع کامل سے خلاف عادت الٰہی کوئی بات صادر ہو۔ اور اسباب طبعیہ سے وہ اثر نہ پیدا ہوا ہو۔ خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا اسباب خفی ہوں پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو یا اسباب طبعیہ جلی یا خفی سے ہو تو وہ کرامت نہیں ہے۔

انتباہ:۔ جو شخص اپنے کو کسی نبی کا متبع نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں جوگیوں ساحروں وغیرہ سے بعض ایسے امور صادر ہو جاتے

ہیں۔ اسی طرح اگر وہ شخص مدعی اتباع نبی کا تو ہے۔ مگر واقع میں متبع نہیں ہے۔ خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو۔ جس طرح اہل بدعت، یا فروع میں خلاف کرتا ہو جیسے فاسق فاجر مسلمان۔ اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو تو وہ بھی کرامت نہیں ہے۔ بلکہ استدراج ہے۔ اور یہ سخت مضر ہے کہ یہ شخص خرق عادت ہونے کی وجہ سے اپنے کو کامل سمجھے گا۔ اور اس دھوکہ میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے میں کوشش نہیں کریگا۔ نعوذ باللہ۔ یہ بڑا خسران ہے پس کرامت اس وقت کہلائے گی جبکہ اس کا محلِ صدور مومن متبع سنت کامل التقویٰ ہو۔

انتباہ:۔ کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری اور نہ قصد کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کرامت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ علم بھی ہو قصد بھی ہو۔ جیسے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مُبارک سے دریائے نیل کا جاری ہونا۔

دوسری یہ کہ علم ہو قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل بے موسم میوؤں پھلوں کا آجانا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ نہ علم ہو نہ قصد ہو۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چند سہ چند ہو جانا اسی لئے خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر تعجب ہوا۔ جس سے ان کے علم و قصد کا پہلا سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوا۔

کرامت کی ان تین قسموں میں سے اول پر تصرف و ہمت کا اطلاق

کیا جاتا ہے۔ دوسری اور تیسری قسم کو تصرف نہیں کہتے۔ البتہ برکت و کرامت کہیں گے۔

انتباہ:۔ بعض اولیائے کاملین کا مقام غلبہ عبودیت و رضاء کا ہوتا ہے اس لئے وہ کسی شئے میں تصرف نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی کرامتیں معلوم نہیں ہوتیں۔ اور بعضوں کو قوت تصرف ہی عنایت نہیں ہوتی بس تسلیم و تفویض ہی ان کی کرامت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا ظہور یا وجود ضروری نہیں چنانچہ بعض صحابہ سے عمر بھر ایک بھی خرق عادت کا صدور و وقوع نہیں ہوا۔ حالانکہ حضرات صحابہ سب کے سب اولیاء تھے بلکہ تمام اولیاء سے افضل تھے چونکہ فضیلت کا مدار قرب الٰہی اور اخلاص عبادت ہے۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اہلِ کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں تاکہ اس کا عوض بھی آخرت میں ملتا۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ نعمت دنیا میں سے کسی بھی نعمت میں جس قدر کمی رہے گی اس کا اجر و بدلہ قیامت میں ملے گا۔

گو بعض اولیاء ایسے بھی ہوئے ہیں کہ انتقال کے

بعد بھی ان سے خوراق و تصرفات سرزد ہوتے رہے اور یہ بات حد تواتر کو پہونچ گئی ہے۔

شبہ اور اس کا جواب:۔ بعض کہا کرتے ہیں کہ پھر اولیاء کا اولیاء ہونا کس طرح معلوم ہو۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو ولایت ایک امر مخفی ہے اس کے معلوم ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ البتہ اگر معلوم کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں فیض حاصل کریں تو اس کا ایک طریق یہ ہے کہ ان کی صحبت سے شرف حاصل کریں۔ اور ان کی تعلیم کا اتباع کریں۔ جب اپنی حالت روز بروز متغیر پاؤ گے خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص صاحب تاثیر ہے۔ اور اگر کرامت ہی سے معلوم کرنا ہے تو سنئے۔

انتباہ ضروری:۔ کرامت دو قسم پر ہے۔ حسی اور معنوی عموماً لوگ فقط حسی کرامت کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں اور وہ حسی مثلاً یہ ہے کہ دل کی بات پر مطلع ہو جانا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا پر اڑنا۔ ایک ہی وقت میں دو جگہ یا چند جگہ پر نظر آنا۔ زمین میں دھنس کر اندر ہی اندر تیر کر اوپر آجانا۔ ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں پہونچ جانا۔ بے موسم پھل لادینا

وغیرہ۔ اور اوپر تفصیل سے بیان آچکا ہے کہ یہ چیزیں تو ریاضت سے جوگی وغیرہ، غیر مسلموں سے بھی صادر ہو جاتی ہیں۔ اور مسلمان فاسق سے بھی بسبب ریاضت یا بسبب شمول امور طبعیہ مثل مسمریزم۔ قرین ہمزاد، عملیات نقوش، طلسمات، شعبدات، ادویات کی تاثیرات عجیبہ، سحر، نظر بندی، وغیرہ۔ بعض تو ان میں کی محض خیالی چیزیں ہیں، اور بعض واقعی بھی ہیں تو اسباب طبعیہ خفیہ سے متعلق ہیں۔ کرامت ان سب فضولیات سے پاک ہے۔

طالب حق:- گو بہ نظر انصاف قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان امور میں قوائے طبعیہ کو دخل ہے یا محض قوت قدسیہ ہے یا کسی قوت کو بھی دخل نہیں ہے بلکہ محض غیب سے ظہور ہوا ہے۔ اس لئے کرامت حسیّ کو ولی کے پہچاننے کے لئے معیار بنانا اندیشناک ہے۔

اسی لئے جو لوگ ایسی حسیّ خرق عادات کو ولایت کی نشانی گمان کرتے ہیں وہ دجّال کے دجل وفریب اور جال میں پھنس کر معتقد ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ بعض ایسے مولوی بھی جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ نے فرمایا ہے۔

پس ولی کی ولایت کا معیار کرامت معنوی ہے۔ اس کرامت کے ساتھ کرامت حسیّ کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اگر فیض حاصل کرنا ہے تو کرامت معنوی دیکھو۔

کرامت معنوی :۔ خواص کے نزدیک، اہل بصیرت اہل نظر کے نزدیک بڑا کمال یہی کرامت معنوی ہے۔

یہی اصل ہے جس کا حاصل شریعت پر مستقیم رہنا۔ مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا۔ اعمال صالحہ، نیک کاموں کا پابندی اور بے تکلفی سے صادر ہونا۔ اخلاق رذیلہ، کبر، حسد، ریا، حقد، کینہ، حب جاہ، حب مال، حب دنیا، حرص طمع، طول امل، غضب وغیرہ۔ تمام صفات مذموم سے پاک ہونا اور کوئی سانس غفلت میں نہ گزرنا۔ اللہ تعالیٰ کا دھیان دل سے نہ اترنا۔ طاعات کا طبیعت میں جمانا۔ معاصیات کا طبعی نفرت تک پہونچ جانا۔ اتباع سنت ہر کام میں بے ارادہ ہونا۔ یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال ہی نہیں۔ بخلاف پہلی قسم حسی کے کہ اس میں استدراج کا احتمال موجود ہے اس لئے کاملین، صدور کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ استدراج ہی نہ ہو یا اس سے نفس میں عجب و پندار نہ ہو جاوے یا اس کی وجہ سے شہرت و امتیاز ہو کر باعث ہلاکت نہ ہو جاوے۔

انتباہ :۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اپنی کرامت کا اخفاء واجب ہے۔ تو جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن (اجازت) ہو۔ یا حال اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و اختیار باقی نہ رہے۔ یا کسی مرید و طالب حق کے یقین کا قوی کرنا مقصود ہو وہاں اظہار جائز ہے۔

دلیل ثبوت کرامت :۔ حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ قرآن پاک میں ہے۔ ارشاد ہے۔

قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ زکریا علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اے مریم یہ چیزیں (بے موسم) تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ مریمؑ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہیں۔

دوسری دلیل:۔ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حارث کی ایک بیٹی سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انگور کا خوشہ کھا رہے ہیں اور اس وقت مکہ میں پھل ومیوہ کا کہیں پتہ ونشان تک نہ تھا اور وہ خود لوہے میں مقید تھے۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسید بن حُضیرؓ اور عبادؓ بن بشیر رسول اللہ صلی تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تاریک رات میں حاضر تھے۔ جب یہ دونوں آپ کے پاس سے چلے تو ان دونوں کے آگے دو نور ظاہر ہوئے جب دونوں جدا ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک نور رہ گیا۔

بخاری ومسلم وترمذی شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِهتزّ العرش بموت سعد بن معاذ۔ کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال پر عرش ہل گیا۔ اور فرمایا کہ ملائک بھی ان کے جنازہ کو اٹھائے ہوئے تھے۔

پس کرامات اولیاء حق اور ثابت ہیں۔ آیات واحادیث میں کرامتیں مذکور ہیں۔ اور شرط اتباع شریعت حالات رفیعہ میں سے ہیں۔ اگرچہ یہ نہ

مقصود ہے نہ مطلوب اور نہ لازم ولایت، جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ سے عمر بھر ایک کرامت بھی واقع نہیں ہوئی حالانکہ وہ سب اولیاء تھے بلکہ تمام اولیاء سے افضل تھے۔

تنبیہہ ضروری:۔ یاد رکھیں کہ ولی سے کبھی کبھار کوئی امر ناجائز صادر ہونا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو اور تنبیہ کی وقت توبہ کرلے۔ یا کسی اختلافی امر میں غلط شق کو اختیار کرلینا، ولایت وکرامت میں قادح ومضر نہیں ہے اس کو خوب سمجھ لیں۔

استغراق:۔ کسی کیفیت کے غلبہ سے ایسا ہو جانا کہ دوسری جانب کی خبر نہ رہے۔ یہ کم ہے منتھی کو اور حضرات صوفیاء میں سے متوسطین کو اکثر ہوتی ہے۔

دلیل:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی صاحبزادی جارہی تھیں کسی نے پوچھا یہ لڑکی جو آپ کے ساتھ ہے آپکی ہے؟ آپ نے غور سے دیکھ کر فرمایا کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے۔ اللہ اللہ یہ بھی یاد نہ رہا کہ یہ میری لڑکی ہے گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔

انتباہ:۔ یہ محمود ضرور ہے بشرطیکہ اس استغراق سے کوئی شرعی عیب پیدا نہ ہو۔ مگر یہ خود اپنی ذات میں کوئی بڑا کمال نہیں ہے اگر یہ کوئی بڑا مرتبہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ فرماتے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ نماز کو طول دوں مگر نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سن کر تخفیف کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ

آپ کو استغراق نہ ہوتا تھا۔

وجد :- کسی حالت محمودہ غریبہ کا غلبہ ہونا اور اصلی حالت سے نکال ڈالنا (جیسے دل کا سرور) اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے

دلیل :- حدیث شریف میں ایک صحابیؓ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے انی اُحبّ اَنْ اسمعہٗ مِن غَیْرِیْ۔ صحابیؓ کہتے ہیں فَقَرَءتُ عَلَیْہِ اس حدیث میں آگے ہے۔ فَاِذَا عَیْنَاہُ تَذْرِفَانِ۔ (صحابی کا بیان ہے) آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے سے قرآن مجید سنوں، سو میں نے آپ کو سنایا۔ دیکھا تو آپ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

دلیل دوم :- رزین کی روایت تلاوت کے بارے میں ہے انما کانوا یبکون وَیَقْشَعِرُّ وَنَ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُودُھُمْ وَقُلُوبُھُم اِلٰی ذِکْرِ اللہِ۔ کہ وہ حضرات تلاوت قرآن کے وقت رویا کرتے اور ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے پھر خدا تعالیٰ کی یاد کی طرف ان کے پوست اور قلوب نرم ہو جاتے، تو کاملین کا وجد آیات واحادیث میں مذکور ہے۔

دلیل سوم :- ترمذی شریف جلد ثانی میں حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بے ہوش ہو جانا مروی ہے اس درجہ کا وجد اسلاف میں اتفاقاً ہے قوت تحمل کی وجہ سے کم ہی ہوتا تھا۔ البتہ متوسطین اہل تصوف میں اس کا وقوع زیادہ ہوتا ہے۔

تصرّف

صرفِ ہمت کا نام تصرف (یعنی کسی چیز کے ظاہر ہونے کے لئے یکسوئی کے ساتھ خیال کا جمانا) ہے۔ اس میں فاعل، قوت برقیہ ہوتی ہے جو انسان کے اندر ودیعت رکھی گئی ہے جیساکہ زمین میں بھی یہ قوت ہے اور بہت ہے۔ نظر لگنے میں بھی اسی کا اثر و دخل ہوتا ہے۔ مسمریزم بھی اسی کی فرع ہے۔ حاضرات بھی اسی کی فرع ہے۔ شعبدہ بھی اسی کی فرع ہے اور بھی اس قسم کی چیزیں ہیں۔

اور یہ قوت گو بعض میں فطرتاً بھی ہوتی ہے اگرچہ وہ صاحب نسبت بھی نہ ہوں۔ لیکن نادراً۔ اکثر و بیشتر اور عادتاً یہ مشق سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے کی قوت اگر قوی ہو تو وہ اسے روک سکتا ہے۔ غرض تصرف کے طریقوں کا حاصل کرنا مشاقی پر موقوف ہے۔

تصرف اصلاحی و متعارف سلوک یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے

خاص توجہ کرتا ہے اس میں تصور تصرف کے مقصد سے ہوتا ہے۔ اس کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ دل چاہتا ہے۔ کہ فلاں شخص میں ذوق و شوق، محبت حق، خوف حق، وغیرہ پیدا ہو جاوے۔ اور اس کے لئے دعا کرے۔ اس میں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

لیکن تصرف و توجہ اصطلاحی، سو یہ اختیاری فعل ہے اور یہ گو جائز ہے لیکن ذوقاً پسندیدہ نہیں ہے۔ تاہم بمجبوری بضرورت شرعی، ضرورت کے موافق جائز ہے۔ قاعدہ شرعی ہے۔ الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ۔ اور یہ بھی جب ہے کہ طالب صادق مریدمیں کوئی ذکر وغیرہ اثر نہ کرے۔ تب شیخ اس تصرف و توجہ سے کام لے کہ باطن مرید میں تاثیر کرے جس سے اس کو حق تعالیٰ کی طرف کشش پیدا ہو۔ دوسری اشیائے عالم میں خواہ ہمت سے یا دعا سے۔

انتباہ:۔ یہ تصرفات عجیبہ وغریبہ بدون حصول نسبت فناء وبقاء حاصل نہیں ہوتے اس لئے اس اعتبار سے مشاقی یا قوت فطری کے ساتھ نافع فی الدین ہونا بھی شرط ہے۔ کیونکہ سالک کا صوفیاء کا اصل موضوع یہی نفع فی الدین ہے۔ اس لئے مراد بعض تصرفات عجیبہ و غریبہ سے وہی تصرفات و توجہات ہیں جو سلوک سے متعلق ہیں۔

انتباہ:۔ بعض مشائخ کے یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا نفع باقی رہنے والا نہیں ہوتا۔ اور ضرر یہ ہے کہ طالب کیفیت کو نفع سمجھ کر اس کو کافی سمجھنے لگتا ہے۔ اور محنت چھوڑ دیتا ہے۔ کام

ترک کردیتا ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس وقت قلب میں خدا تعالیٰ کی طرف مطلق توجہ نہیں رہتی اگر رہتی بھی ہے تو بہت ضعیف اور خدا تعالیٰ کی طرف سے قصداً توجہ ہٹانا غیرت کے خلاف ہے۔ خصوص جبکہ نفع بھی کوئی خاص نہیں اور جو کچھ ہے وہ وقتی ہے۔ اور وہ بھی خالص نہیں بلکہ اس میں ضرر بھی شامل ہے۔ بندہ پر حق تعالیٰ کا حق توجہ تام ہے۔ بڑی چیز یہ ہے کہ اس قسم کی توجہ کرنا سنت میں منقول نہیں ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بکثرت منقول نہیں۔ پس مسنون طریقہ اصلاح کا، نصیحت و تذکیر، تدابیر معالجات اور دعا ہے۔ البتہ اگر ایسا کرنے کی ضرورت ہی ہو جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے۔ تو اس کے یہ آداب ہیں۔

۱۔ طالب صادق ہے۔ مجاہدہ میں، ذکر میں مشغول ہے لیکن غباوت ہے۔ آگے نہیں چلتا تو تصرف ہو۔

۲۔ ظاہراً یا باطناً اس پر عجب نہ ہو۔

۳۔ طالب ضعیف الطبع، ضعیف القلب، ضعیف الاعصاب نہ ہو۔

۴۔ طالب تصرف پر ٹیک نہ لگا بیٹھے کہ بس تصرف سے کام ہوتا رہے گا میں کیا محنت کروں۔

۵۔ شیخ ضعیف الجثہ، ضعیف الاعصاب نہ ہو مریض نہ ہو۔

۶۔ اس میں زیادہ اشتغال نہ ہو کہ فاعل و منفعل دونوں کے لئے فتنہ ہے۔ بعض ناواقف یوں سمجھتے ہیں کہ فیض پہونچانا شیوخ کے قبضہ و اختیار

میں ہے۔ یہ محض غلط اور باطل خیال ہے جیساکہ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت شریفہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ کے بارے میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ آپ اپنے چچا ابوطالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے۔

اس حدیث شریف سے اس غلطی کی پوری اصلاح ہوتی ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہدایت دینا نہ ہوا۔ تو اوروں میں کب اس کا احتمال ہو سکتا ہے۔ پھر جبکہ نفع دینی ہی جو اصل کام ہے شیخ کا مستقلاً خارج از اختیار ہے تو دنیوی نفع استقلالاً اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگ اس خیال و دھوکہ میں بھی مبتلا ہیں کہ نعوذ باللہ، اہل اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھتے ہیں۔ بدلالۃ النص اسی آیت سے اس کی بھی اصلاح ہو گئی۔

دلیل و ثبوت تصرف:۔ یہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک لمبی حدیث شریف میں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھی جو مجھ پر غالب تھی آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف سے میری یہ حالت ہوئی کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں تو یہ ہاتھ مارنا جس سے یہ حالت پیدا ہوئی تصرف ہے۔

خاطر:۔ قلب پر جو وارد ہوتا ہے اس کو خاطر کہتے ہیں۔ اس کی چار قسمیں ہیں

۱۔ خاطرِ حق ۲۔ الہام ۳۔ ہاجس ۴۔ وسواس۔
اول اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ دوسرا فرشتہ کی طرف سے تیسرا نفس کی طرف سے چوتھا شیطان کی طرف سے۔

علامت:۔ اگر نیک بات دل میں آوے اور اس کے خلاف پر عمل نہ کر سکے تو وہ خاطرِ حق ہے۔ اور اگر خلاف پر عمل کر سکے تو الہام ہے۔ اور اگر بری بات دل میں آوے تو اگر شہوت، غضب تکبر، ریا وغیرہ صفات نفس کی طرف رغبت ہو تو وہ ہاجس ہے۔ اور اگر کسی گناہ کی طرف میلان ہووے تو وہ وسواس ہے۔ اسی کو بعض نے دوسری طرح بھی بیان کیا ہے۔

مخالفتِ شیخ

حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ کہ جو میرے ولی سے عداوت کرے میں اس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں جب

عام ولی کے ساتھ عداوت جو کہ وہ خلاف و مخالفت کر کے مخالف ہوتا ہے اس سے منجانب اللہ تعالیٰ لڑائی کا اعلان ہے جو کہ سخت ترین وعید ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے اپنے شیخ کی مخالفت پر، اس کا کیا اثر ہوگا۔

بیان اثرات مخالفت شیخ

۱۔ ایک اثر مخالفت شیخ کا یہ ہوگا کہ شیخ سے محبت و عقیدت میں فتور واقع ہوگا۔ (۲) شیخ کو آزردگی ہوگی۔ اس کا اثر، گو آخرت میں کچھ نقصان نہ ہو مگر دنیوی نقصان کا سخت اندیشہ ہے۔ اور روحانیت میں ضعف آنے کا امکان ہے۔ چنانچہ حضرت ابن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے ابن منصور اسرار کو ظاہر کردیتے تھے۔ ضبط نہ کرتے تھے اور سمجھتے تھے ضبط سے باہر ہے مگر حضرت جنیدؒ جانتے تھے کہ یہ ضبط کر سکتے ہیں۔ عاجز نہیں ہیں۔ ہمت کریں تو ضبط کر سکتے ہیں اس لئے ضبط کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ اور تعمیل نہ دیکھ کر ناراض و مکدّر تھے۔ خوش نہ تھے تو اگرچہ شیخ کی ناراضگی اور تکدر سے آخرت میں مواخذہ نہ ہو چونکہ مواخذہ گناہ پر ہے ہاں نبی کی ناراضگی سے گناہ ہوتا ہے۔ لیکن شیخ کی ناراضگی سے گناہ نہیں ہوتا۔ مگر شیخ کی ناراضگی سے دنیا میں چین نصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابن منصورؒ کو کبھی چین نصیب نہ ہوا، حتیٰ کہ انا الحق کہنے پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور ہوا جو کچھ ہوا۔

اس لئے محققین مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ دنیوی وبال ان پر ان کے شیخ حضرت جنیدؒ کے تکدر سے آیا۔ گو وہ آخرت میں معتوب نہ ہوں کیونکہ وہ

وہ اپنے خیال میں معذور تھے۔

۳ ایک اثر یہ ہوگا کہ شیخ کی تعلیم سے زائد مجاہدہ کرے گا جس کا نتیجہ چند روز میں گھبرا کر وہ قلیل تعلیم کیا ہوا بھی چھوٹ جاوے گا۔ چنانچہ جنھوں نے ایسا کیا ہے ان کا حال ایسا ہی ہوا ہے۔

دلیل: بخاری و مسلم شریف میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعمال میں سے اتنا اختیار کرو کہ اکتاؤ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتاؤ۔

پس: بیعت میں جلدی نہ کرو۔ خوب پرکھ لو پرکھا لو، شیخ کی علامات جانچ لو جب یقین ہو جاوے اور دل میں ایسی محبت و عقیدت ہو کہ سمجھے سارے جہاں میں میرے لئے میری تلاش میں ان سے زیادہ کوئی ناصح، خیر خواہ نہیں ہے۔ تب ہے بیعت نافع اور بالطف۔

انتباہ: لہذا بے شرع پیر سے بیعت نہ کرے۔ اور بیعت ہو گیا پھر بعد میں پیر کا بے شرع ہونا مبتدع، بدعتی ہونا ظاہر ہوا۔ گناہوں پر اصرار ہے۔ تو اس پیر کو چھوڑ دے کیونکہ جب وہ پیر خود واصل نہیں تو تم کو کس طرح واصل کرے گا۔ شیخ کامل وہی ہے جو جامع ہو ظاہر و باطن کا اور جب ایسا پیر ہو بس جس کا ہو گیا اسی کا ہو کر رہے۔

باطن شیخ: حدیث شریف میں ہے کہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہے۔ ابھی گزرا ہے کہ جس کا ہو گیا بس اسی کا ہو کر رہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گفت حالم از محبان دور نیست لیک بیرون آمدن دستور نیست

اس میں تعلیم ہے کہ اگر شیخ سے محبت کامل ہو تو ظاہری دوری فیض سے مانع نہیں ہے۔ یہ حدیث شریف اس کی مؤید ہے۔ یہی محبت معیت روحانی ہے۔ مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو تعلیم کی حاجت نہ رہی ہو صرف تقویتِ نسبت میں مشغول ہو ورنہ بدون قربِ جسمانی کام چلتا نہیں معذوری میں مجبوری ہے۔ جیسے بُعدِ مکانی میں آمد و رفت مشکل ہے تو پھر مکاتبت کا بخلوص اہتمام و التزام قائم مقام معیت جسمانی و قرب جسمانی کے ہوگا۔

تجلّی حق در خلق

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اتانی ربّی فی احسن صورۃ۔ (ترمذی شریف) کہ میرا رب میرے پاس ایک اچھی صورت میں آیا یہی وہ چیزیں ہیں صوفیاء کی اصطلاح میں بایں عنوان تعبیر پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر بیں کسی قدر متوحش ہو جاتا ہے۔ لیکن مُراد کی وضاحت کے بعد ایسی اصطلاحات کی گنجائش ہے۔ چنانچہ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ بلا حلول اپنی ذات و صفات خلق میں ظہور فرماتے ہیں جس طرح کاتب کا ظہور مکتوب میں اور متکلم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے۔ پس خلق مظہر

اور حق ظاہر ہے اسکی نظیر فی احسن صورۃ ہے اور آتانی ربی ہیں ربی کہہ دینا غایتہ تعلق ظاہر و مظہر میں ہونے کا بیان ہے کہ مظہر سے انکار مظاہر کا محال ہے ۔ یہ دونوں مسئلے عقلی ہیں۔ عنوان و تعبیر میں ذرا موحش ہیں حقیقت میں کوئی توحش نہیں البتہ تجلی اور اتحاد کو عرفی معنی میں یا لغوی معنی میں محمول کرنا جائز نہیں جیسا کہ جاہل صوفی اس سے اپنے عقائد خراب کر لیتے ہیں اس کی تفصیل "ہمہ اوست" میں ہو چکی،

الصّوفی لامذہب لہٗ:۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں (وہ کسی مذہب کا پابند نہیں) بلکہ مطلب یہ ہے کہ صوفی محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں حتی الامکان احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے۔ ورع و تقویٰ اسی کا نام ہے۔

دلیل:۔ اس پر فقہاء کا قول دلیل ہے کہ رعایتہ الخلاف والخروج منہ اولیٰ مالم یرتکب مکروہ مذہبہ۔ یعنی اختلاف سے نکلنا مستحب ہے۔ جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو حدیث شریف میں ہے۔ اِستَفتِ قَلبَکَ۔

خلافت و سجّادہ نشینی

اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ ابقاء فیض اور اجرائے سلسلہ کے لئے اپنے

اتباع و مریدین میں سے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین کر دیتے ہیں ایک کو یا متعدد کو، کبھی حیات میں اور کبھی اپنے وفات کے بعد میں۔

دلیل:- ایک عورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی آپ نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا اس نے عرض کیا کہ اگر آپ کو تشریف فرما نہ پاؤں۔ مراد یہ تھی کہ آپ کی وفات ہو جاوے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے نہ پائے تو ابو بکر کے پاس چلی جانا۔ (بخاری و مسلم و ترمذی) اس حدیث میں اس کی اصل ثابت ہے۔

انتباہ:- خلافت و سجادہ نشینی کا طریق جو اب متعارف ہے کبھی شیخ ہی کی حیات میں اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جس کو خاص دیکھا خواہ وہ خاص ہونا دنیوی اعتبار سے ہو اور گو اس میں اس کی کوئی اہلیت نہ ہو اس کی دستار بندی کر دیتے ہیں یہ بالکل طریق کی بے قدری اور فساد اور طالبین کی رہزنی ہے اور عوام کی اضاعت دنیا و دین ہے۔

دلیل:- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں خلافت ایسے شخص کے لئے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام، مسلمانوں کی توقیر کی طرف ہو۔ ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو۔ اس حدیث شریف سے نااہل کو خلیفہ بنانے کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔

اخراج مُرید برائے زجر و تنبیہ

اکثر بزرگوں کے واقعات ایسے ہیں کہ مُرید کی کسی خلاف وضع حرکت پر اسکو نکال دیا۔ یا اس سے بولنا چھوڑ دیا۔ کام لینا چھوڑ دیا۔ یا کوئی مناسب سزا دیدی۔ جس سے مقصود تنبیہ کرنا ہوتا ہے۔ عداوت عیاذاً باللہ ہرگز منشا نہیں ہوتا۔

دلیل:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب اور دوسرے دو صحابیوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے غزوۂ تبوک سے رہ جانے پر مسلمانوں کو ان تینوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس حدیث شریف سے اس عمل کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے۔

تیز مزاجی:۔ بعض بزرگ زیادہ لطیف المزاج ہوتے ہیں اور اس لطافت کی وجہ سے ان کو نامناسب امور زیادہ ناگوار ہوتے ہیں۔ اور یہ ناگواری ان کے بُشرہ سے ظاہر ہوجاتی ہے۔ اور بعض اوقات یہ تغیر مزاج کا، حد غضب تک پہونچ جاتا ہے جس سے بعض تنگ نظروں کو ان حضرات اہل اللہ پر بدخلقی کا شبہ ہوجاتا ہے۔ اور یہ خیال ان کے ساتھ بدخلقی کا خود ایسے سمجھ والے کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ چونکہ بدخلقی تو وہ ہے،

جو حد شرع سے متجاوز ہو جاوے۔ تیزی بذات خود تو مذموم نہیں۔ نفس غضب تو قبیح نہیں۔

بزرگوں پر اعتراض کرنے میں بہت جلدی نہ کرنا چاہیئے۔ ع کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

دلیل تیزی کی:۔ مسند دیلمی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیزی جو کہ لطافت طبیعت کے سبب سے ہو۔ وہ صرف میری امت کے صلحاء و ابرار میں ہوتی ہے اور اسی کو بایں عنوان بھی ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص ایسی تیزی کا (جو ابھی بیان ہوئی) صاحب قرآن سے زیادہ شایاں نہیں ہے اس قرآن پاک کی عزت کے سبب جو اس کے جوف میں ہے۔

ترک مباحثہ:۔ بزرگوں کے طریق و عادت سے ہے کہ مکالمات و مخاطبات میں جب کوئی ان سے الجھتا ہے تو باوجود حق پر ہونے کے طرح دے کر سکوت فرماتے ہیں۔ الجھن سے گھبراتے ہیں کیونکہ تضییع اوقات خیال فرماتے ہیں۔

دلیل:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ناحق پر ہو اور بحث مباحثہ چھوڑ دے اور حق کو قبول کرلے۔ اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک محل بنایا جائے گا اور جو شخص حق

پر ہو

اور پھر بھی بحث ومباحثہ چھوڑ دے کہ فریق مخالف مانتا تو ہے نہیں جھگڑنے میں فضول وقت برباد ہوتا ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ شاید اپنے اندر کوئی نفسانیت پیدا ہو جاوے۔ اس کے لئے وسط جنت میں محل بنایا جائے گا جو کہ جنت کے کنارے والے سے اچھا ہوگا۔ اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کے لئے اعلیٰ جنت میں بنایا جائے گا۔ (ابن ماجہ شریف)

رنگین لباس پہننا

بعض بزرگوں کی عادت ہے کہ سر سے پاؤں تک رنگین کپڑے پہنتے ہیں اگر یہ ریاءً نہ ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ رنگین کپڑے میلے کم ہوتے ہیں اور بار بار دھونا دھلوانا نہیں ہوتا۔ اور صوفیاء کو مشغولی غیر مطلوب کی طرف ہونے سے بچنے کا خاص اہتمام ہوتا ہے کہ ان کا اصل شغل، شغل بحق ہے اس لئے رنگین کپڑے استعمال کرتے تھے۔ اور یہ فعل ان کا مستند الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

دلیل: (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) میں روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یہ حدیث شریف رنگین لباس پہننے کی دلیل ہے گو داعی یہاں دوسرا ہو مگر مصلحت پر مبنی ہونا تو امر مشترک ہے اور قیاس کیلئے اسی قدر

کافی ہے۔

صوف پہننا:- بعض درویش اکثر حالات میں کمبل وغیرہ اوڑھے رہتے ہیں۔

دلیل:- بخاری و مسلم و ترمذی، ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کمبل بہت دبیز اور ایک لنگی موٹے کپڑے کی نکال کر دکھلائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان ہی دو کپڑوں میں وفات پائی۔

انتباہ:- کیا عجب ہے کہ صوفی کا لقب اسی سے ہوا ہو۔ گو اس لقب ہونے میں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ اگر تصنع و ریار کے طور پر نہ ہو۔ تو یہ حدیث شریف اس کی اصل ہے۔

چلّہ

اکثر بزرگوں سے چلہ کشی کا اہتمام منقول ہے۔ اس پر یہ حدیث شریف دلیل ہے۔

دلیل:- حضرت بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص کے ساتھ خلوت اختیار کرے تو علم کے چشمے اس کے قلب سے جوش زن ہو کر اس کی زبان سے ظاہر ہوں گے۔

ضبط اوقات و اہتمام مجلس خاص در خلوت اور دربان کا مقرر کرنا

بزرگوں کا عموماً معمول ہے کہ اپنے اوقات منضبط رکھتے ہیں جن میں کچھ وقت خلوت کا بھی ہوتا ہے اور کبھی کسی خادم کو بھی بٹھا دیتے ہیں کہ لوگوں کا ہجوم نہ ہو اور کبھی اسی وقت خاص میں خواص کو کسی خصوصیت سے اجازت دے دیتے ہیں۔

اہل باطل، مخالفین، حاسدین ان معمولات پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اور بزرگوں پر شبہ ترفع یا ترجیح وغیرہ کا کرتے ہیں۔ ایسے تمام شبہات ناواقفی سے ہوتے ہیں۔ حدیث شریف ان معمولات کی دلیل ہے۔

دلیل:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس آنے کی تمہارے لئے یہی اجازت ہے۔ کہ تم پردہ اٹھا دیا کرو اور میری مخفی بات سن لیا کرو۔ جب تک میں منع نہ کروں (ابن ماجہ)

دلیل:۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے دولت خانہ پر تشریف لاتے تو اپنے اوقات کے تین حصے فرماتے۔

ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے نوافل وغیرہ کی مشغولی میں صرف فرماتے۔ اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے بولنے چالنے، بات چیت وغیرہ میں صرف فرماتے۔ ایک حصہ آرام کے لئے۔ اپنے اس حصے میں سے ضروری کاموں اور لوگوں کے لئے نفع پہونچانے میں تقسیم فرمادیتے۔ یعنی کچھ وقت اپنے لئے صرف کرتے اور کچھ لوگوں کے کام میں سو اس حصہ کو جو کہ لوگوں کے لئے نکالتے تھے۔ خواص کے ذریعے سے عام لوگوں پر صرف فرماتے تھے۔ اور لوگوں سے کوئی چیز کسی کام کی اٹھا نہ رکھتے تھے اور آپ کی عادت شریفہ امت کے حصہ وقت میں جو باہر صرف ہوتا تھا یہ تھی کہ اہل فضیلت کو ترجیح دیتے تھے (شمائل ترمذی)

دلیل:- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں تھا ایک شخص آیا اور دروازہ کھلوایا آپ نے فرمایا دروازہ کھولدو اور اس شخص کو جنت کی بشارت دیدو۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی خوشخبری دیدی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔

اسی طرح حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تشریف لانا بھی حدیث شریف میں مذکور ہے۔ بخاری و مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔ ان احادیث شریفہ میں ان سب باتوں کا

کا صاف صاف فیصلہ ہے۔ حدیث اول میں خادم کے لئے اجازت ہونے عام کو اجازت نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ حدیث ثانی میں ضبط اوقات واہتمام خلوت اور صرف خواص کو آنے کی اجازت، ان کو آنے دینا بیان فرمایا حدیث ثالث میں دربان کا بٹھلانا صاف مذکور ہے۔ (البتہ کسی وقتی ضرورت شدیدہ کے وقت فقط ملاقات سے عذر کرنا برا ہے)

حدیث شریف کے علاوہ قرآن مجید کی آیات بھی دلیل ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا۔ یعنی اگر تم سے کہا جاوے کہ واپس ہو جاؤ تو واپس ہو جایا کرو معلوم ہوا کہ کسی وقت ملاقات سے عذر کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح حدیث شریف اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَھُم خواص کی ترجیح کو عوام پر جائز بتلاتی ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ ایسے سب شبہات ختم ہو گئے۔

شیطان سے عدم امن۔ دوام بیداری۔ نگرانی و ہوشیاری

سالک مراتب سلوک میں، ولی مقامات ولایت میں کتنا ہی بڑا کامل کیوں نہ ہو جاوے مگر اس کو شیطان سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ ہوشیار و بیدار رہے کہ کسی موقعہ پر اس کو لغزش میں نہ ڈال دے۔

دلیل: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا کہ دشمن خدا تعالیٰ یعنی ابلیس آگ کا ایک شعلہ لایا تا کہ اس کو میرے منہ میں لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا (مسلم شریف)

دیکھئے اس خبیث کی جرءت کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی تک پہنچنے کا اس کو کیسا حوصلہ ہوا۔ لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام سے وہ گناہ نہیں کرا سکتا اس لئے اضرار جسمانی ہی کی ہوس ہوئی۔

فکر اصلاح خود

ناقصین تو ناقصین، کاملین کو بھی فارغ و بے فکر ہو کر نہ بیٹھنا چاہیئے مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشۂ تغیر احوال میں لگا رہنا چاہیئے۔ اسی میں خیر ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔

دلیل:۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ خدا تعالیٰ کی پکڑ سے سوائے ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔

تقوے سے کبھی غفلت نہ ہو:۔ شریعت مقدسہ نے اس کا خاص اہتمام فرمایا

ہے اور اس پر بہت زور دیا ہے۔ چنانچہ سب سے آخری آیت قرآن پاک میں جو نازل ہوئی وہ تقوے ہی کے بارے میں ہے ارشاد باری تعالیٰ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۔ فرماتے ہیں کہ اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ تعالیٰ کی پیشی اور حضور میں لائے جاوٴ گے۔ پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا پورا پورا دے دیا جاوے گا اور ان لوگوں پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جاوے گا۔ یہی تقویٰ کمال ایمان ہے۔ اسی کو کہا ہے ؎

غافل مرو کہ مرکب مردان راہ را — در سنگلاخِ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش — ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

فرمارہے ہیں کہ غافل ہو کر مت چل کہ بڑے بڑے شہسواروں کے گھوڑوں کے پاوٴں سنگلاخ وادیوں میں قلم کردیئے گئے اور ناامید بھی نہ ہو جاوٴ کہ رند بادہ نوش، شرابی لوگ ایک ہی نالۂ آہ توبہ میں منزل پر پہونچ گئے کامیاب ہوگئے واصلِ مقصود ہوگئے۔

انتباہ:۔ آیات و احادیث اور کلام اہل اللہ میں تکبر، ناز کو پوری طرح توڑ دیا ہے کہ اپنی ہمت اور عبادت پر ناز نہ کرو بڑے بڑے عابدین اس ناز کے باعث راندۂ درگاہ ہوگئے ہیں۔ سب سے پہلی مثال شیطان ابلیس ہی کی ہے۔ اور اسی طرح بالکل ناامیدی بھی ختم کردی گئی کہ بعض دفعہ بیحد گنہ گار بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ایک آہ میں منزل مقصود کو پہونچ گئے۔ کیا نہیں معلوم کہ فضیل بن عیاض جو کہ

فضیل تھے حضرت ابراہیم بن ادہم کے۔ پہلے ڈاکوؤں کے سردار تھے پھر آہِ توبہ وندامت سے کیا ہو گئے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہوئے اور مجلس فقہ کے بیس افراد میں سے یہ بھی ایک فرد ہوئے۔ بڑے اولیاء کرام میں سے ہوئے۔

بشر حافی پہلے نہایت درجہ شرابی تھے کہ اکثر شراب خانہ میں رہتے تھے لیکن جب دل پر ندامت کی چوٹ پڑی تو بس آہِ سرد سے اس درجہ کے ہو گئے کہ چرند اور پرند کو حکم الٰہی ہوا کہ جہاں بشر کے قدم پڑیں وہاں تمہاری بیٹ، لید، گوبر نہ پڑے، اللہ اللہ اسی طرح حبیب عجمی بڑے سود خوار تھے کہ آج کی دنیا میں ایسا سود خوار شاید ہی کوئی ہو۔ لیکن جب دل پر خوفِ حق کی چوٹ پڑی اور توبہ ندامت کے ساتھ حسن بصریؒ کے ہاتھ پر توبہ کر کے کس مرتبہ کو پہونچ گئے۔ اللہ اکبر۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں تو ناز کیسا اور ناامیدی کہاں۔ کمی ہے تو اپنی، غفلت ہے تو اپنی ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا۔

اولیائے کرام کے اقسام:۔ اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے متعلق خدمت ارشاد و ہدایت، اصلاح قلوب و تربیت نفوس اور تعلیم طرق قرب و قبول عند اللہ ہوتی ہے۔ یہ حضرات اہل ارشاد کہلاتے ہیں۔ ان میں سے اپنے

عصر و زمانہ میں جو اکمل و افضل ہو اور اس کا فیض اتم و اعم ہو اس کو قطب الارشاد کہتے ہیں۔ اور یہ سب حضرات انبیاء علیہم السلام کے حقیقی نائب ہوتے ہیں لوگوں کے قلوب میں انوار و برکات ان کی وجہ سے آتے ہیں۔ البتہ انکے برکات سے متمتع ہونے کی شرط اعتقاد ہے انکا طرز، طرز نبوت ہوتا ہے۔

دوسرے وہ جن کے متعلق خدمت و اصلاح معاش اور امور دنیویہ کا انتظام اور بلیات کا دفع ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہمت باطنی سے باذن الٰہی ان امور کی درستی کرتے ہیں یہ حضرات اہل تکوین کہلاتے ہیں اور ان سب کی حالت مثل حضرات ملائکہ علیہم السلام کے ہوتی ہے جن کو مدبرات امر کہا گیا ہے حضرت خضر علیہ السلام اسی شان کے معلوم ہوتے ہیں۔

انتباہ:۔ حضرات اہل تکوین کے مقام و منصب کے لئے تصرفات عجیبہ کا ہونا لازم ہے جیسے حضرت خضر علیہ السلام کے تصرفات عجیبہ قرآن پاک میں مذکور ہیں بمعیت حضرت موسیٰ علیہ السلام جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ بخلاف اہل ارشاد کے کہ ان کا خود صاحب خوارق صاحب کرامات ہونا بھی ضروری نہیں البتہ ان حضرات اہل ارشاد کی کرامات اور نوع کی ہوتی ہیں جن کا ادراک عوام الناس کو نہیں ہوتا بلکہ جو شخص اکثر اوقات ان کی خدمت و صحبت سے باخلاص و صدق مستفید ہوتا ہے اس کو معلوم ہوتے ہیں اور وہ امور ذوقی و وجدانی ہیں۔

انتباہ:۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نفع طریقت اہل ارشاد سے ہوتا ہے تو پھر اہل تکوین کے کمالات و

حالات بیان کرنے سے کیا فائدہ ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک علمی دوسرا عملی۔ علمی تو یہ کہ ایک کام کی بات معلوم ہو جاوے تاکہ علم ناقص نہ رہے۔ عملی یہ کہ اکثر ایسے لوگ ظاہر صورت سے خستہ حال، شکستہ بال، ذلیل و خوار ہوتے ہیں تو جب یہ معلوم ہوگا کہ ایسے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں تو اب وہ کسی کی تحقیر و توہین تو نہ کرے گا۔ خوب سمجھ لو۔

انتباہ:۔ قطب التکوین کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنے قطب ہونے کا علم ہو کیونکہ وہ ایک عہدہ ہے جیساکہ حسن میمندی جو سلطان محمود کا وزیر تھا اس کو تو اپنے وزیر ہونے کا علم تھا لیکن ایاز کو اپنے محبوب ہونے کا علم نہیں تھا کیونکہ محبوبیت کوئی عہدہ نہیں، قرب کی ایک قسم ہے۔ پس قطب الارشاد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اپنے قطب ہونے کو جان بھی لے۔

انتباہ:۔ ایک وقت میں قطب متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ جیساکہ شیخ ابن عربی نے لکھا ہے۔

انتباہ:۔ یہ اصحاب تکوین اکثر شریعت کے غیر مکلف ہوتے ہیں صحیح الحواس تو ہوتے ہیں لیکن فاتر العقل ہوتے ہیں جیسے حیوانات اور جیسے بچے کہ ان کے حواس درست ہوتے ہیں۔ مگر ناقص العقل فاتر العقل ہوتے ہیں۔ اور مکلف ہونا شریعت کا یہ عقل پر ہوتا ہے۔ اور وہ ہے نہیں۔ مجنوں اور مجذوب میں یہی فرق ہوتا ہے کہ مجنوں کی عقل

اخلاط فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہو جاتی ہے۔ اور مجذوب وہ ہے جس کی عقل کسی وارد غیبی کے سبب زائل ہو جاوے لیکن دونوں میں فرق کرنا اور پہچاننا مشکل ہے بس سیدھی بات یہ ہے کہ مجذوب کے پاس بیٹھنے سے قلب کو آخرت کی طرف کشش ہو اور علامت یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل بصیرت محققین، جامع شریعت و طریقت اس شخص پر نکیر نہ کرتے ہوں۔ بلکہ اس کا ادب کرتے ہوں بس تم بھی اس کا ادب کرو اور اپنی زبان کو خلاف ادب سے روکو

انتباہ:- مجذوب سے نہ دنیا کا فائدہ ہے نہ دین کا۔ دین کا تو اس لئے فائدہ نہیں کہ وہ تعلیم و تذکیر و نصیحت پر موقوف ہے اور تعلیم و نصیحت ان سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور دنیا کا اس لئے فائدہ نہیں کہ وہ فائدہ دعا سے ہوتا ہے اور مجذوب دعا کرتے نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ صاحب کشف ہوتے ہیں ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملہ میں اس طرح ہوگا۔ تو اس کے موافق دعا کرنا فضول ہے اور اس کے خلاف دعا کرنا تقدیر کا مقابلہ ہے۔ اس لئے وہ لوگ دعا نہیں کرتے۔ البتہ کشف کے طور پر کبھی بطور پیشینگوئی کچھ کہہ دیتے ہیں کہ یوں ہوگا۔ سو اگر وہ نہ بھی کہتے تب بھی اسی طرح ہوتا تو ان کے کہنے کے موافق ہو جاتا۔ ان کے کہنے کے سبب سے نہیں ہوا غرض مجذوب سے کسی طرح کا نفع نہیں ہوتا۔ بلکہ مجذوبوں کی فکر میں پڑنے سے ضرر ہوتا ہے وہ یہ کہ ایسے لوگ (مجذوبوں کے پیچھے پڑنے والے) شریعت کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں۔ شریعت کی وقعت و عظمت ایسے لوگوں کے دلوں سے جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ مجذوب شریعت کی پیروی

تو کرتے نہیں اور جو وہ کہتے ہیں وہی ہو جاتا ہے۔ پس شریعت پر عمل کرنا ضروری نہیں جانتے ہیں اور نہیں سمجھتے ــــــــ کہ مجذوب فاتر العقل ہونے کے سبب شریعت کے مکلف نہیں وہ تو معذور ہیں۔ تو دیکھنے والوں میں تو عقل و سمجھ سب کچھ موجود ہے۔ اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔ تو ایسے لوگ اپنا دین برباد کرتے ہیں تو یہ اتنا بڑا مجذوب کے پیچھے پڑنے سے ہوا اسلئے ان کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے۔ البتہ ان کو برا بھلا بھی کہنا جائز نہیں

انتباہ:۔ مجذوبوں کی نگاہ و نظر کبھی تو چھوٹی چھوٹی معمولی معمولی باتوں پر ہو جاتی ہے اور نہ ہو تو بڑی سے بڑی بات پر بھی نہیں ہوتی۔ جذب کی وجہ سے ان حضرات پر استغراقی کیفیت غالب رہتی ہے اسی لئے انکا فعل حجت نہیں۔ مجذوبوں کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف معذور ہوتے ہیں۔ گو وہ مقبول ہیں مگر کامل نہیں۔ کیونکہ کمال اور ترقی اعمال سے ہے اور وہ اعمال سے محروم ہیں۔ یہی وجہ (یعنی کسب اعمال) ہے ارواح کو عالم ارواح سے عالمِ اجسام میں بھیجنے کی۔ عالم ارواح میں ارواح حامل احوال تھیں مگر عامل اعمال نہ تھیں چنانچہ ارواح میں یہ حالِ محبت ہی تھا۔ اس درجہ محبت ہی کی وجہ سے حمل امانت پر آمادہ ہوگئیں۔ اس حمل امانت کا منشا صرف محبت اور عشق الٰہی ہی تھا پس سالک متورع کا مقام مجذوب سے کہیں اعلیٰ ہے۔ چونکہ سالک عامل اعمال ظاہرہ و باطنہ ہے۔

انتباہ:۔ اگر مجذوب کے حواس کی درستی میں شبہ ہو تو ان کی دی ہوئی چیز کو بھی نہ لے۔ اگر لے تو ــــ اس کا حکم لقطہ کا ہے۔

چہاردہ خانوادہ

اولؔ زیدیاں منسوب بخواجہ عبدالواحد بن زیدؒ

دوؔم عیاضیاں منسوب بخواجہ فضیل بن عیاض

سوؔم خانوادہ ادھمیان منسوب بخواجہ ابراہیم بن ادھم

چہاؔرم خانوادہ ہبیریاں منسوب بہ ابوہبیرۃ البصری

پنجمؔ خانوادہ چشتیاں منسوب بخواجہ ممشاد علوی دینوری

ششتمؔ خانوادہ عجمیاں منسوب بخواجہ حبیب عجمی۔

ہفتمؔ خانوادہ طیفوریاں منسوب بہ سلطان العارفین بایزید بسطامی ملقب بہ طیفور۔

ہشتمؔ خانوادہ کرخیاں منسوب بمعروف کرخی۔

نہم خانوادہ سقطیان منسوب بہ سری سقطی۔

دہم۔ خانوادہ جنیدیاں منسوب بہ سید الطائفہ جنید بغدادی۔
یازدہم۔ گازرونیاں منسوب بہ اسحٰق گازرون
دوازدہم۔ خانوادہ طوسیاں منسوب بشیخ علاؤ الدین طوسی۔
سیزدہم۔ خانوادہ سہروردیاں منسوب بشیخ نجیب الدین سہروردی
چہاردہم۔ خانوادہ فردوسیاں منسوب بشیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی۔

یہ خانوادے تو اصل ہیں اور ان سے آگے اور شاخیں نکلی ہیں اور ان کے نام یہ ہیں۔

اول۔ خانوادہ قادریہ غوثیہ منسوب بحضرت غوث الاعظم
دوم۔ خانوادہ یسویہ منسوب بخواجہ احمد یسو۔
سوم۔ خانوادہ نقشبندیہ منسوب بخواجہ بہاؤ الدین نقشبند
چہارم۔ خانوادہ نوریہ منسوب بشیخ ابوالحسن نوری
پنجم۔ خانوادہ خضرویہ منسوب باحمد خضرویہ۔
ششم۔ خانوادہ شطاریہ عشقیہ منسوب بشیخ عبداللہ شطار۔
ہفتم۔ خانوادہ حسینیہ بخاریہ منسوب بسید جلال مخدوم جہانیاں بخاری۔
ہشتم۔ خانوادہ زاہدیہ منسوب بخواجہ بدرالدین زاہد۔
نہم۔ خانوادہ انصاریہ منسوب بحضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری
دہم۔ خانوادہ صفویہ منسوب بشیخ صفی الدین۔
یازدہم۔ خانوادہ عیدروسیہ منسوب بسید عبداللہ المکی العیدروسی۔

فصل اقسام اولیاء (اصحاب تکوین)

اس باب میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب بارہ گروہ ہیں۔

اقطاب[۱]، غوث[۲]، امامین[۳]، اوتاد[۴]، ابدال[۵]، اخیار[۶]، ابرار[۷]
نقباء[۸]، نجباء[۹]، عمد[۱۰]، مکتومان[۱۱]، مفردان[۱۲]،

قطب العالم ایک ہوتا ہے اس کو قطب العالم و قطب اکبر و قطب الارشاد و قطب الاقطاب و قطب المدار بھی کہتے ہیں۔

اور عالم غیب میں اس کا نام عبد اللہ ہوتا ہے اس کے دو وزیر ہوتے ہیں جو اِمامین کہلاتے ہیں۔ وزیر یمین کا نام عبدالملک وزیر یسار کا نام عبدالرب ہوتا ہے اور بارہ قطب اور ہوتے ہیں سات تو سات اقلیم میں رہتے ہیں ان کو قطبِ اقلیم کہتے ہیں اور پانچ یمن میں

ان کو قطب ولایت کہتے ہیں۔

یہ عدد تو اقطاب معینہ کا ہے اور غیر معین ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک ایک قطب ہوتا ہے۔ غوث ایک ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قطب الاقطاب ہی کو غوث کہتے ہیں وہ اور ہوتا ہے اور وہ مکہ میں رہتا ہے۔ بعض نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔

اوتاد چار ہوتے ہیں عالم کے چار رکن میں رہتے ہیں۔ ابدال چالیس ہوتے ہیں۔ بائیس یا بارہ شام میں اور اٹھارہ یا اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔

اخیار پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں۔ اور ان کو ایک جگہ قرار نہیں۔ سیاح ہوتے ہیں ان کا نام حسین ہوتا ہے۔ اور ابرار اکثر نے ان ہی ابدال کو کہا ہے۔

نقباء تین سو ہوتے ہیں۔ ملک مغرب میں رہتے ہیں۔ سب کا نام علی ہوتا ہے۔

نجباء ستر ہوتے ہیں اور مصر میں رہتے ہیں۔ سب کا نام حسین ہوتا ہے۔ عمد چار ہوتے ہیں۔ زمین کے چاروں گوشوں میں رہتے ہیں۔ سب کا نام محمد ہوتا ہے اور غوث ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے اور فرد ترقی کر کے قطب وحدت ہو جاتا ہے اور مکتوم تو مکتوم ہی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روح کا بیان

بعد حمد و صلوٰۃ عرض ہے کہ بعض صاحبان روح کے متعلق معلوم فرمایا کرتے تھے اس لئے مختصراً سہل طریق سے کچھ لکھا جاتا ہے۔

روح کے متعلق مختلف اقوال ہیں گو ان سب کے لکھنے کی دراصل ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ زمانہ ضلالت و گمراہی کا غالب ہے۔ اہل باطل اپنے خیالات باطلہ لوگوں کے ذہنوں میں ڈال کر راہِ حق سے پھسلاتے ہیں یا کم از کم تردد اور شک میں پڑ جانے کی نوبت آجاتی ہے اس لئے وہ سب لکھے جاتے ہیں پھر ان میں جو صحیح اور حق ہیں۔ ان کو عرض کر دیا جائے گا۔

اقوال و مذاہب

روح کے بارے میں پانچ اقوال یا یوں کہئے کہ پانچ مذاہب ہیں جو

مندرجہ ذیل ہیں۔

ایک قول حکماءِ متقدمین کا ہے۔ دوسرا قول حکماءِ متاخرین کا ہے تیسرا قول صوفیاءِ مکاشفین کا ہے اور چوتھا قول علماءِ متکلمین کا ہے۔ پانچواں قول اطباء کا ہے۔

تفصیل اقوال و مذاہب

اول قول حکماءِ متقدمین کا یہ ہے کہ روح جوہر مجرد قدیم ہے۔ دوسرا قول حکماءِ متاخرین کا ہے کہ روح جوہر مجرد حادث بعد البدن ہے، بدن کی طیّاری کے بعد روح پیدا کی جاتی ہے۔ اور بدن میں (ڈالی جاتی) قائم کی جاتی ہے۔

تیسرا قول صوفیاءِ مکاشفین کا ہے کہ روح جوہر مجرد حادث قبل البدن ہے۔ یعنی بدن پیدا ہونے سے قبل روح کا وجود و حدوث ہے۔ چوتھا قول علماءِ متکلمین کا ہے کہ روح جسم غیر عنصری ہے۔ پانچواں قول اطبّاء کا ہے کہ روح جسم عنصری (مادی) ہے۔

یہ پانچوں اقوال کہئے یا پانچ مذاہب کہئے بہرحال ان کا یہ تفسیری و تفصیلی بیان ہے۔

جو لوگ روح کو جوہر مجرد کہتے ہیں ان کے نزدیک روح مدبر بدن ہے۔ اس کے قائلین حکماء و صوفیا ہیں۔ اور جو لوگ روح کو جوہر مجرد نہیں کہتے بلکہ جسم غیر عنصری غیر مادی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ ایک جسم۔۔

لطیف ہے۔ جیسا کہ اکثر اہل کلام اور علماء ظاہر کا خیال ہے کہ کہتے ہیں کہ روح جسم لطیف ہے جو تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے۔ تمام بدن میں جاری وساری ہے اور اسی سے جسم انسانی کی حیات ہے۔ اور جو لوگ روح کو جسم عنصری (جسم مادی) کہتے ہیں اور یہ اطباء کا خیال ہے کہتے ہیں روح ایک بخار ہے۔ جو غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ اور محل کے اختلاف سے مختلف افعال کا وہ مصدر ہوتا ہے۔ یعنی اس سے مختلف افعال صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً قلب میں اس کے متعلق افعال حیات ہے اس اعتبار سے اس کو روح حیوانی کہتے ہیں کبد میں اس کے متعلق ہضم ہے اس اعتبار سے اس کو روح طبعی کہتے ہیں۔ دماغ میں اس کے متعلق احساس وادراک ہے اس اعتبار سے اس کو روح نفسانی کہتے ہیں اور حکماء اس کو اپنی اصطلاح میں نفس ناطقہ کہتے ہیں ان پانچ مذاہب میں سے پہلا اور دوسرا مذہب باطل ہے یعنی حکماء متقدمین کا روح کو قدیم ماننا بھی باطل ہے اور حکماء متاخرین کا روح کو حادث بعد البدن کہنا بھی باطل ہے روح کو قدیم ماننا اسلئے باطل ہے کہ اگر روح کو قدیم مانا جاوے تو جس مسئلہ عقلیہ کا یا نقلیہ کا علم روح کو تعلق بالبدن کے بعد ہوا ہے اس کے متعلق سوال ہوگا کہ قبل تعلق بدن روح کو اس مسئلہ کا علم قدیم تھا یا اس مسئلہ سے جہل قدیم تھا یا دونوں حادث تھے کہ علم سے پہلے جہل تھا یا جہل سے پہلے علم تھا۔

تو اگر علم قدیم تھا تو اس پر زوال کا طاری ہونا اور عدم طاری ہونا محال ہے پھر روح کا بدن سے تعلق ہونے کے بعد وہ علم کس طرح زائل ہوگیا جس سے روح کو جدید علم حاصل کرنے کی حاجت ہوئی؟ اور اگر جہل قدیم تھا تو ظاہر ہے کہ قدیم پر زوال طاری ہونا محال ہوتا ہے۔ پھر اس جدید علم کے حصول پر وہ جہل کس طرح منعدم ہوگیا؟ اور اگر علم وجہل دونوں حادث تھے تو ظاہر ہے کہ علم اور جہل کا مجموعہ بھی حادث ہوگا اور جو حادث ہوتا ہے وہ سابق میں معدوم ہوتا ہے تو اس طرح روح اس مسئلے سے متعلق جو بعد کو حاصل ہوا ہے علم اور جہل دونوں سے خالی تھی اور ایسا ہونا محال ہے کیونکہ علم اور جہل دو متضاد اور متناقض چیزیں ہیں۔ تو ان دونوں سے خالی ہونا ارتفاع ضدین ارتفاع نقیضین ہوگا جو کہ محالات میں سے ہے اور یہ محال روح کو قدیم ماننے سے لازم آیا اور جو بات کسی محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ بھی محال ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ روح کا قدیم ہونا محال اور باطل ہے تو مذہب اول جو حکمار متقدمین کا ہے کہ روح قدیم ہے۔ یہ باطل ہوگیا۔

اب رہا مذہب حکمار متاخرین کا جو روح کے بارے میں دوسرا مذہب ہے کہ روح حادث ہے لیکن حادث بعد البدن ہے یعنی جسم ـ پہلے پیدا ہوا اور روح بعد کو پیدا ہوئی یہ مذہب بھی صحیح نہیں۔ پہلے مذہب کی طرح یہ بھی باطل ہے کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث شریف میں وارد ہے الارواح جنود مجندۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابدان سے قبل تمام ارواح مجتمع تھیں تو ثابت ہوگیا کہ ابدان سے تعلق کے قبل ارواح موجود ہوچکی تھیں۔ لہٰذا حادث بعد البدن ہونا باطل ہوگیا۔

تو مذہب اول اور مذہب دوم باطل ٹھہرے۔ اب رہے تین مذہب، تیسرا چوتھا پانچواں، یہ مذاہب صحیح اور حق ہیں۔ لہٰذا ان کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

تیسرے مذہب کی دلیل کشف ہے اور کشف کسی دلیل شرعی کا مخالف نہ ہو تو محتمل صحت ہوتا ہے اور یہاں صوفیا کا یہ کشف کہ ارواح ابدان سے قبل ہی موجود ہیں مخالف شرع نہیں ہیں۔ اس لئے یہ محتمل صحت ہے۔ اس کے بطلان کا حکم نہیں کیا جاسکتا۔ خاصکر جبکہ مؤید بالشرع بھی ہو پھر تو صحت ہی کا حکم متعین ہے چنانچہ یہاں حدوثِ ارواح قبل الابدان کے مسئلہ میں حدیثِ بخاری۔ الارواح جنود مجندۃ اس کشف کی مؤید ہے اس لئے یہ حکم لگانا صحیح ہے کہ روح بدن کی تخلیق وتکوین سے پہلے ہی سے ہوتی ہے۔

چوتھے مذہب یعنی روح کا جسم غیر عنصری ہونے پر دلیل نصوص شرعیہ آیات قرآنیہ ہیں۔ چنانچہ سورہ سجدہ میں ہے ثم سوّٰہ ونفخ فیہ من روحہ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم میں منفوخ یعنی پھونکی گئی ہے اور منفوخ کا جسم ہونا ضروری ہے۔ اور وہ جسم مسوّی کا غیر ہے اور مسوّٰی جسم عنصری ہے بس روح جسم عنصری کا غیر ہوا تو روح کا جسم غیر عنصری ہونا ثابت ہوگیا۔ اس کے علاوہ دوسری مخلوقات کے متعلق خالق برتر نے فرمایا کہ واللّٰہ خلق کل دابۃ من ماء اور انسان کے بارے میں ارشاد ہے ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین اور جنات کے بارے میں ارشاد فرمایا خلق الجان من مارج من نار۔ اور ملائکہ کے متعلق حدیث مسلم شریف میں ہے مخلوق من النور۔ توان نصوص

دارشادات میں باوجود سوال نہ کئے جانے کے خود خدا تعالیٰ نے مخلوقات کا مادہ بیان فرمادیا لیکن روح کے بارے میں باوجود سوال کئے جانے کے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ارشاد فرمایا کوئی مادہ بیان نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ اگر روح کسی عنصر سے مُکوّن ہوتی یعنی کسی مادہ وعنصر سے پیدا کی ہوئی ہوتی تو جواب میں کسی عنصر کا ذکر فرمادیا جاتا مثلاً من الھواء یا اس کے مثل اور کچھ فرمادیتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ روح کسی عنصر سے مُکوّن نہیں ہے اور جسم ہونا پہلے ثابت ہوچکا تو پس روح کا قوام کسی لطیف مادہ سے ہے جیسے نور یا اس سے بھی زیادہ لطیف والطف ہے۔ بہرحال روح کا جسم غیر عنصری ہونا ثابت ہوگیا۔

تنبیہ:۔ اگر کوئی معقولی فلسفی یوں کہے کہ یہ جو تم نے بیان کیا ہے یہ امور خواص اجسام سے نہیں بلکہ خواص مادہ سے ہیں اور مادی ہونے کو جسم ہونا لازم نہیں چونکہ ممکن ہے جوہر فرد ہو سو یہ سوال قلت نظر سے پیدا ہوا ہے دیکھئے روح کافر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے فَتَتَفَرَّقُ مِنْ جَسَدِهٖ تَفَرَّقُ فرمایا اور تفرق انقسام کو مقتضی ہے اور جو مقتضی انقسام ہو وہ جوہر فرد نہیں ہو سکتا لہٰذا روح جوہر فرد نہیں ہو سکتی۔ اسی روح کا نام حدیثوں میں نفس اور نسمہ بھی آیا ہے اور کتاب وسنت میں زیادہ بحث اسی روح سے کی گئی ہے اسی کے متعلق کہا گیا ہے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ باوجود سوال کئے جانے کے جواب میں حقیقت بیان نہیں فرمائی۔ تو یہ نفی علم بالکنہ کی ہے کہ تم تھوڑا علم دیئے گئے ہو۔ روح

کی حقیقت سمجھنے کے لئے وہ کافی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے احکام کا بھی علم نہیں دیا گیا چونکہ احکام روح کے علم کے لئے حقیقت روح جاننا ضروری نہیں علم بالوجہ بھی کافی ہے تو نفی علم بالکنہ کی ہے اور اثبات علم بالوجہ کا ہے اور اس میں کوئی منافات نہیں تو جواب میں مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ فرمانا اسی بنار پر ہے کہ اس جسم کی حقیقت واضح اور مبیّن نہیں چونکہ یہ لور سے بھی الطف ہے۔

پانچویں مذہب قول اطبا۔ کہ روح جسم عنصری ہے اس کی دلیل مشاہدہ ہے جو کہ شرعاً حجت ہے اور اگر یہ مشاہدہ کسی دلیل شرعی کے ظاہراً معارض ہو تو دلیل شرعی میں تاویل واجب ہوتی ہے لیکن یہاں ایسا ہے ہی نہیں البتہ ان تینوں مذاہب کو حق ماننے پر اشکال ہوتا ہے کہ ان میں آپس میں تنافی و تناقض ہے کیونکہ تجرد جسمیت کے منافی ہے تو مذہب اول مذہب ثانی کے منافی ہوا اور عنصریت، غیر عنصریت کے منافی ہے لہٰذا مذہب ثانی اور ثالث میں بھی تنافی ثابت ہو گی۔

اور اول و ثالث میں ثنافی کی وجہ وہی ہے جو اول و ثانی میں مذکور ہوئی یعنی تجرد و جسمیت تو تینوں مذاہب آپس میں تنافی اور متناقض ہوئے پھر تینوں حق کس طرح ہو سکتے ہیں کیونکہ اجتماع نقیضین محال ہے۔

لیکن درحقیقت کوئی تنافی اور تناقض نہیں ہے کیونکہ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے ساتھ تین چیزیں متعلق ہیں اور ایک ایک دلیل نے ایک ایک امر کا اثبات کیا ہے

اور اپنی اپنی اصطلاح میں اس کا نام روح رکھا ہے اور کسی نے باہم دوسرے سے
کوئی تعرض نہیں کیا نہ اثباتاً نہ نفیاً پس کوئی اشکال شبہ وخلجان کی بات نہیں رہی
کلام محققین سے اسی طرح ثابت ہوتا ہے اسلیئے کہا جائیگا کہ بدن انسانی کے ساتھ
تینوں متعلق ہیں اس طرح کہ روح جو کہ جو ہر مجرد ہے اس کا تعلق بدن
انسانی سے بواسطہ روح بمعنی جسم غیر عنصری ہے اور روح بمعنی جسم عنصری کا تعلق بواسطہ
روح طبی بمعنی جسم عنصری کے ہے یعنی اول کا تعلق بدن میں بواسطہ ثانی کے ہے اور ثانی
کا فعل بواسطہ ثالث کے ہے موت کے وقت جب ثالث کا تعلق منقطع ہوتا ہے اور وہ بدن
سے نکل جاتی ہے تو ثانی بھی نکل جاتی ہے اور اس ثانی کے نکلنے سے اول کا فعل اور تصرف
بھی جدا اور منقطع ہو جاتا ہے اور بدن سے خروج کے بعد ثالث عناصر میں مل جاتی ہے چونکہ
وہ اصل میں جزء عناصر ہے اور یہ قاعدہ ہے کل شئ یرجع الی اصلہ ہر شے اپنی
اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اور ثانی عالم برزخ میں باقی رہتی ہے جیسا کہ قبل تعلق بالبدن
بھی وہاں ہی تھی اور اول چونکہ مجرد ہے اسلیئے وہ کسی مکان میں نہیں ہوتی۔ چونکہ مکان خواص
مادہ و مادیات سے ہے اور قبل تعلق بالبدن بھی اسیطرح وہ کسی مکان میں نہ تھی اسی لئے۔
اس کو لامکانی کہتے ہیں اور مجازاً یہ کہدیا جاتا ہے کہ وہ لامکانی ہے لامکان میں رہتی
ہے اسی معنی اور اسی اعتبار سے حضرات صوفیاء کرام نے لطائف کی بحث میں روح کے بارے
میں فرمایا ہے کہ وہ فوق العرش ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عرش کے اوپر رہتی ہے
بلکہ چونکہ عرش منتہیٰ ہے امکنہ و مکانات کا جو بالدلیل ثابت ہے اور روح مکانات سے
مجرد ہے اس لئے فوق العرش غیر مکانی ہونے سے کنایہ ہے اور اسی لامکان کا لقب حدیثوں

سے عماء بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا اَینَ اَیمَان رَبُّنَا آپ نے فرمایا فی عماء اور یہ ظاہر ہے کہ مکان ذات باری تعالیٰ سے منفی ہے پس عماء لامکان ہی کو فرمایا اب معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ قبل خلق الخلق بھی مکان سے منزہ تھا جیسا اب منزہ ہے۔ فَهُوَ الْآنَ كَمَا كَانَ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ

ممکنات میں مجرّد ہونا تو ہے کیونکہ تجرد اخص صفات ذات باری تعالیٰ سے نہیں۔ البتہ اخص صفات باری تعالیٰ وجوب بالذات اور قدم مطلق ہے۔ لہٰذا ممکنات میں ایسے مجرّد کا قائل ہونا جو ممکن اور حادث بمعنی مسبوق بالعدم واقعی ہو اس میں کچھ حرج نہیں یعنی واقع میں سابق میں معدوم تھا۔ پس ثابت ہوا کہ ان تینوں مذہبوں میں باہم کوئی اختلاف و تعارض نہیں۔ اب یہ بتلانا باقی ہے کہ ثواب وعتاب کس روح کو ہوگا قبر میں بھی اور آخرت میں بھی؟ سو روح طبعی تو بعد وفات عناصر میں مل گئی اس پر عذاب و ثواب ہونا کہیں مذکور نہیں۔ روح شرعی کو ملائکہ لے جاتے ہیں جیسا کہ نصوص سے اس کا بقاء باقی رہنا معلوم ہے۔ اس پر ثواب و عذاب کا ذکر نصوص قرآن و حدیث میں آتا ہے۔

رہی روح جسم غیر عنصری سو وہ بھی مثاب و معاقب ہے۔

لیکن غیر عنصری کو ثواب و عقاب حسّی ہوتا ہے اور مجرد کو ثواب وعتاب معنوی ہوتا ہے قبر میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اب رہی یہ بات کہ ان دونوں روحوں کو تالّم یا تنعّم یعنی دکھ سکھ، الم و سرور بدن کے تعلق کے واسطے سے ہے یا بلا واسطہ؟

سو نصوص سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد موت کے روح جسم غیر عنصری کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے اور وہ بدن دوسرا بدن ہے جیسا کہ احادیث میں سبز رنگ کے پرندوں کے

جوف وغیرہ میں ہونا آیا ہے غالب یہی ہے اور اس کو جسم مثالی کہتے ہیں جو کہ خاص خاص صفات وکیفیات میں اس بدن عنصری کے مشابہ ہے۔ بعض احادیث سے اس کا زیادہ پتہ لگتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آدم علیہ السلام کوان کے پیدا کرنے وقت اللہ تعالیٰ نے مٹھی کھول کر دکھائی فاذا فیھا آدم وذریتہ (ترمذی شریف) اور یہ ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام عالم حس میں موجود تھے پھر مٹھی میں کون سے آدم تھے معلوم ہوا کہ اس بدن کے علاوہ کوئی دوسری چیز بھی ہے جس کو آدم کہا اور یہ بظاہر بدن مع الروح ہے پس معلوم ہوا کہ بدن تو یقیناً متعدد ہوا اور روح ممکن ہے ایک ہی روح دونوں بدن سے متعلق ہو چنانچہ حدیث معراج میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو آپ نے متعدد جگہ دیکھا تو ظاہر ہے کہ وہ ابدان مختلف تھے اور ایک ہی روح سب کی مربی تھی۔ اسیلئے دوسرے بدن کو بھی اسی نام سے موسوم کیا گیا۔

رہا یہ کہ ایک روح دو بدن کے ساتھ کس طرح متعلق تھی؟ سو اس کے چند طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک بدن میں ساری اور نافذ ہو اور دوسرے میں ______ روحانی قوت سے متصرف ہو۔ دوسرے یہ کہ دونوں بدن میں روح غیر عنصری کے کچھ کچھ اجزاء ہوں اور ان دونوں میں روح مجرد تصرف کرتی ہو کہ کبھی ان کو جمع کردے کبھی منتفرق کردے۔

چنانچہ بعض اولیاء کو ایسے واقعات حیات دنیا میں بھی پیش آئے ہیں۔ پس جب بدن کا متعدد ہونا ثابت ہوگیا تو بدن مثالی کا وجود ثابت ہوگیا۔

کیا عجب ہے کہ میثاق کے وقت یہی ابدان ہوں اور بعد موت سوال کے وقت روح بدن مثالی کے اندر ہو کر زمین کی طرف بھیجی جاتی ہو اور اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ

کو ایک گونہ متعلق کر کے سوال اسی روح و بدن مثالی سے ہو پھر سوال کے بعد اسی روح کا آسمان کی طرف لے جایا جانا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سب ارواح ملتی ہیں اور برزخ مؤمنین کا یہی مکان ہے جو کہ آسمان پر ہے جس کو علیین کہتے ہیں جیسا کہ برزخ کفار کا ارض سفلی ہے جس کو سجین کہتے ہیں۔ رہا یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ سوال ملکین کے صحیح جواب دینے پر کہا جاتا ہے نم کنومۃ العروس جس سے روح کا بظاہر قبر میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ سو غور کرنے سے اس کہنے میں نوم کا قبر میں ہونا لازم نہیں ہوتا جو علیین کی طرف جانے کے معارض ہو۔ گو من وجہ قبر سے بھی تعلق رہتا ہو۔ چونکہ نوم سے مراد راحت ہے اور یہ نہ منافی تقابل ہے نہ منافی کلام ہے۔ رہی ثبوت برزخ کی دلیل تو وہ اس آیت کریمہ میں ہے اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (پ ۲۴ سورۃ المؤمن) آیۃ کے جزو اول صبح و شام آگ کا پیش کیا جانا عالم برزخ ہی میں ہے کیونکہ قیامت کے دن کا اشد عذاب اسی آیۃ کے دوسرے جز میں مذکور ہے۔

یہاں تک روح کے متعلق موت اور ما بعد الموت عالم برزخ سے متعلق کلام ختم ہو گیا۔ اب رہا معاملہ آخرت کا سو نصوص قرآن پاک و حدیث رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تصریح ہے۔ کہ یہی بدن عنصری زندہ کیا جاوے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ۔ اور اسی طرح حدیث شریف میں ہے اور اس بدن کے ساتھ روح یعنی جسم غیر عنصری تو ضرور ہی متعلق ہو گی اور روح عنصری، بظاہر یہی معلوم ہوتا

کہ یہ بھی متعلق ہوگی کیونکہ یہ بھی اجزائے بدن سے ہے۔

رہا یہ اشکال کہ اس بدن کو کسی نے کھالیا اور وہ اس کا جزو بدن ہوگیا تو پھر یہ کیسے اعادہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اجزاء کا جزو بدن ہونا ضروری نہیں کچھ اجزاء اس کھانے والے کے دستبرد سے ضرور محفوظ ہیں وہ سب اعادہ کئے جائیں گے۔

اب رہی روح مجرد اس کا تعلق قبر اور آخرت دونوں میں مثل تعلق دنیوی کے ہوگا۔ دلیل وہی کَمَا بَدَءْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ ہے کیونکہ یہاں تشبیہ ہے۔ اور تشبیہ کا تام ہونا اسی کو چاہتا ہے کہ روح کا تعلق قبر یعنی برزخ اور آخرت دونوں سے ہو پھر جنت اور دوزخ میں بھی یہی بدن جائے گا اور اسی کے واسطے سے روح کو الم، دکھ اور لذت و راحت ہوگی جیسا کہ بیان کیا گیا کہ روح مجرد کو ثواب و عتاب عقلی و معنوی ہوگا۔ اور روح مادی کو ثواب و عذاب حسی ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خلاصہ

تمامتر تقریر کا خلاصہ:۔ یہ امور ہوئے بعض قطعاً بعض ظناً بعض امکاناً۔

امر اوّل ۔ روح کے بارے میں پانچ مذہب ہیں ۱۔ حکمائے متقدمین کا کہ روح جوہر مجرد قدیم ہے اور یہ قول باطل ہے۔

دوسرے ۲۔ حکماء متاخرین کا مذہب اور قول کہ روح جوہر مجرّد حادث بعد البدن ہے یہ بھی محض باطل ہے

تیسرا مذہب صوفیائے مکاشفین کا روح جوہر مجرد حادث قبل البدن ہے یہ حق ہے

چوتھا مذہب علماء متکلمین کا کہ روح جسم غیر عنصری ہے یہ بھی حق ہے۔

پانچواں مذہب اطباء کا ہے کہ روح ایک جسم عنصری ہے یہ بھی مذہب حق ہے

تنبیہہ:۔ ۳، ۴، ۵ میں جو روح کے تین مصداق ہیں تینوں حادث ہیں اور یہ تینوں بدن انسانی سے متعلق ہیں اسطرح کہ ۳ بواسطہ ۴ کے اور ۴ بواسطہ ۵ کے

تنبیہہ دوم:۔ ۴، ۵ جسم اور مکانی ہیں اور ۳ مجرد غیر مکانی ہے ۵ موت کے بعد عناصر میں مل جاتی ہے اور نمبر ۴ برزخ میں رہتی ہے اور نمبر ۳ بحالہ غیر متمکن ہے۔

تنبیہہ سوم:۔ مثاب اور معاقب برزخ میں ۳، ۴ ہیں ان کا تألم دکھ تکلیف اور تلذذ و راحت برزخ میں بواسطہ جسم مثالی کے ہوتا ہے اور آخرت میں تینوں روحیں ۳، ۴، ۵ اسی بدن عنصری سے متعلق ہوں گی۔

واللہ اعلم بالصواب

طرقِ سلاسل اربعہ مشائخ کرام

چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ، اصولاً سب متحد ہیں کہ اصل مطلوب تصحیح اخلاق فاضلہ اور تکمیل تہذیب اخلاق حمیدہ بطلب رضائے الٰہی ہے۔

تحصیل کے طرق و معالجات بتعداد انفاس خلائق متعدد و متکثر ہیں۔

البتہ ترتیب تحصیل میں کسی کسی قدر فرق ہے۔

چشتیہ: تہذیبِ اخلاق کو مقدم اور خاص الخاص توجہ اس پر مرتکز فرماتے ہیں

نقشبندیہ: ذکر کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے سلاسل قادریہ، سہروردیہ بھی ذکر پر زیادہ توجہ فرماتے ہیں لیکن اب طریق مرکب ہے تصحیح اخلاق کے ساتھ ساتھ اذکار بھی تعلیم کیے جاتے ہیں اور یہ اذکار مختلف صورتوں کے ساتھ مختلف ناموں کیساتھ ہیں۔ کوئی ذکر لسانی ہے کوئی ذکر قلبی ہے۔ کوئی پاسِ انفاس کی شکل میں ہے۔ کوئی حبسِ دم کی صورت میں ہے۔ کوئی شغل کی صورت

میں ہے اور کوئی مراقبہ کی صورت میں۔

ان سب کے طرق میں بعض صورتیں متحد اور بعض صورتیں مختلف ہیں لیکن مطلوب ایک ہی ہے یعنی انقطاع عن الخلق، توجہ الی الخالق، تصورحق ذاتِ بحت، ملکہ یادداشت بمعرفت الٰہی بخشیتِ الٰہی باشوق وذوق وانس ومحبت۔

ذکر سے انس ومحبت، نزہت وتنزیہ، صفائیت، شفافیت، نکھار پیدا ہوتا ہے اور یہ نکھار ونزہت مطلوب ہے۔

اور اشتغال سے ملکہ یادداشت اور مراقبات سے معرفت وخشیت ورسوخِ احسان مطلوب ہے۔ پھر جو ان مطلوبات کے ذرائع ووسائل ہوں گے وہ بھی مطلوب ہوں گے اس لئے ذکر، فکر، اشتغال، مراقبات کے طرق مطلوب ہیں۔

انتباہ:۔ اب رہی یہ بات کہ کس کے لئے کیا طریق نافع ہے یہ شیخ صاحب فن کی رائے پر ہے چونکہ طالب اصلاح اور شیخ کا تعلق طبیب اور مریض کا سا ہے۔ اسی لئے حضرت شیخ ابن عربی نے لکھا ہے کہ شیخ کو تدبیر اطباء کی سی چاہئے جیسے کہ یہ لکھا ہے کہ شیخ میں سیاست بادشاہوں کی سی اور علم انبیاء کا سا ہونا چاہئے۔ بہرحال سلاسل اربعہ اصول میں سب متحد ہیں اور طرق میں کہیں متحد اور کہیں مختلف۔ اور منجملہ طرق، اذکار اشتغال مراقبات بھی ہیں، چونکہ طریق ذکر چشتیہ اسی کتاب میں سابقاً آچکا ہے اس لئے یہاں ترک کردیا گیا ہے۔

طریق ذکر نقشبندیہ

جب طالب صادق اس جماعت میں سے کسی کے پاس جاتا ہے تو استخارہ کرنے

کو فرماتے ہیں۔ استخارہ میں اشارہ مل جانے پر اس کی طرف مشغول ہوتے ہیں۔ اسطرح کے انسان کے اندر چھ لطیفے ہیں جن کا تفصیلی ذکر اسی کتاب میں ہے ان کو یہاں تک ذاکر کرنے میں سعی کرتے ہیں کہ خود ذکر سے آشنا سا ہو جاوے اور توجہ خود مرید کے لطیفہ میں ذکر کے القاء کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس کا یہ طریق اختیار کرتے ہیں۔ کہ مرید سے زبان کو تالو میں لگواتے ہیں اور بغیر زبان ہلائے قلب سے اسمِ ذات اللہ کو ادا کرتے ہیں اور اپنے قلب کے منہ کو مرید کے دل پر تصور کرتے ہیں اور غیر خدا کے خیال کو اس کے دل میں آنے سے روک کر اس کے قلب کو اپنی طرف انجذابِ قلب سے متوجہ کرتے ہیں تاکہ اس توجہ کے اثر سے اس کے لطیفہ میں حرکت پیدا ہو کر ذکر جاری ہو۔ اس طرح کم و بیش ایک گھنٹہ مرید کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

تنبیہہ: یہ قلب صنوبری، قلب حقیقی کا نشیمن ہے اس کو حقیقت جامع بھی کہتے ہیں۔ اور خدا کی عادت جاری ہے کہ جب مرید اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو مبدء فیض سے قلب حقیقی کے واسطے اس کو فیض ہوتا ہے یہ لطیفۂ قلب کی مشق کی نوعیت ہے۔ جب یہ مشق کامل ہو جاتی ہے اور فنا قلبی حاصل ہو جاتی ہے۔ تو باقی لطائف کی الگ الگ مشق کرائی جاتی ہے۔ فنائے لطائف یہی ہے کہ لطائف میں مستغرق ہو جائے اور اس میں تکلف کی ضرورت نہ ہو۔

یہ طریق تو اسم ذات اللہ کا تھا اس کے سوا نفی و اثبات کی بھی تعلیم کی جاتی ہے اس کا طریق یہ ہے کہ آنکھیں اور ہونٹ بند کر کے سانس ناف کے نیچے سے اٹھا کر قلب میں روکے اور لا کو ناف سے نکال کر گلے تک پہنچا کر الٰہ کو گلے سے لطیفہ روح تک لاکر

اِلّا اللہ کی دل پر ایسی ضرب لگائے کہ اس کا اثر تمام لطیفوں پر پہنچے اور غیر اللہ کی نفی اور اللہ کی ذات کے اثبات کا تصور کرے۔ پہلے ایک سانس میں اسی طرح ایک دفعہ اور تدریجاً ترقی دیتا ہوا اکیس ۲۱ مرتبہ تک پہونچائے اور طاق عدد کا، مدّ وشدّ کا خیال رکھے تاکہ اثر ظاہر ہو۔

انتباہ:۔ ذکر کا اثر یہ ہے کہ نفی کے وقت غیر کے وجود کی بالکل نفی ہو جاوے اور اثبات میں انجذاب الٰہی کا ظہور ہو کہ مذکور یعنی اللہ کا ذکر اسم دل پر غالب ہو کر محبوب حقیقی میں محو ہو جاوے

انتباہ:۔ یہ دو طریق نقشبندیہ کے ذکر کے سلسلہ میں عرض کئے گئے اسی پر دوسرے لطائف کو قیاس فرمائیں کہ جس لطیفہ کی مشق مقصود ہو اسی لطیفہ پر حبس دم کرے اس طرح کہ ناف کے نیچے سے سانس کھینچ کر جس کا شغل منظور ہو اس پر ٹھہرے اور جسقدر ممکن ہو اسم ذات میں اس کے معنی اور اس مقام لطیفہ کو نور اور واسطہ کے ساتھ ساتھ منہمک ہو جاوے اور اسم کو ذات کا غیر نہ سمجھے۔ بعض صاحبان ان مقامات کا ذکر بغیر حبس دم کرتے ہیں اور ذکر وہی اسم ذات ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ نفی و اثبات میں جو تعلیم نقشبندیہ کے طریق کی اوپر بیان کی گئی۔ احقر بعض اقویاء ذی قوائے قویہ کو اس کی تعلیم کرتا ہے۔ آنکھ اور سوراخ کان کے بند کرنے کے ساتھ الحمدللہ تعالےٰ باطن کیلئے بیحد نافع ہوا۔

طریق قادریہ

سلسلہ قادریہ میں ذکر نفی و اثبات معمولی آواز کے ساتھ تعلیم کیا جاتا ہے۔ جس کا طریق یہ ہے کہ لا الٰہ کو پوری طاقت سے بدن کے اندر سے کھینچ کر الا اللہ کی دل پر ضرب لگاتے ہیں اسی طرح خلوت میں روز و شب مشق کرتا رہے اور بار بار حسب ضرورت جسقدر بھی ہو سکے کرتا رہے۔ اور ہر سو کے بعد ایک بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور ایک ہی نشست میں ایکہزار ایک سو گیارہ بار ورد کرے یہ بہتر ہے۔ اس طرح کرنے سے ذاکر کو ایک خاص محویت اور جذب بالطف ہوگا

اس کے بعد نفی واثبات کی اس طرح تعلیم کرتے ہیں کہ روبقبلہ دوزانو بادب بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے پوری طاقت سے لا کو ناف کے نیچے سے کھینچ کر باہر لائے اور اپنے شانہ دکندھے تک پہنچا کر الٰہ کو اُمّ الدماغ سے نکالے اور الا اللہ کی بہت زور سے قلب پر ضرب لگائے لا الٰہ کہتے وقت خیال کرے سوائے خدا کے نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی مقصود ہے نہ موجود ہے تاکہ غیر کی ہستی کا خیال جاتا رہے اور الا اللہ سے موجود مطلق کے اثبات کا خیال کرے۔ اس کے علاوہ ذاکر اسم ذات یکضربی، دوضربی، سہ ضربی، چہار ضربی کی تعلیم و مشق کرتے ہیں۔

یکضربی میں لفظ اللہ کی پوری طاقت سے دل پر ضرب لگاتے ہیں پھر ذرا ٹھہر کر اتنا

کہ سانس ٹھہر جاوے تب ضرب لگاوے اسی طرح مشق کرے ۔

دو ضربی میں پہلی بار ضرب دائیں گھٹنے پر دوسری قلب پر ۔

سہ ضربی اول دائیں گھٹنے پر دوسری بائیں گھٹنے پر تیسری ضرب دل پر ۔

چہار ضربی میں پہلی دوسری دائیں بائیں گھٹنے پر تیسری سامنے چوتھی ضرب دل پر لگائے

انتباہ :۔ یکضربی، دو ضربی، سہ ضربی میں دو زانو بیٹھے اور چہار ضربی میں چہار زانو بیٹھے ۔ یہ طریق ذکر تھا ۔ اور پاس انفاس وہی عام طریق پر ہے ۔ اتنا فرق ہے کہ لفظ ھُو کو خیالی طریقہ سے کھینچ کر آسمان پر لے جاوے ۔

شغل قادریہ اسم ذات خفیہ

ان اذکار کے بعد شغل اسم ذات خفیہ کی تعلیم کرتے ہیں اس طرح پر کہ زبان کو تالو سے ملائے اور جسقدر ہو سکے قلب سے اللہ اللہ کہے اور رات دن یہی تصور رکھے تاکہ پختگی پیدا ہو اور ذکر میں کوئی زحمت نہ ہو بلکہ ذکر کی ایک کیفیت اضطراری ہو جاوے۔

شغل اسم ذات:۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کاغذ پر قلب صنوبری کی سُرخ یا نیلی تصویر کھینچ کر اس میں اللہ سنہری یا رو پہلی صورت سے لکھ کر اس پر نظر رکھے یہاں تک کہ یہ نام دل پر منقوش ہو جاوے یا لفظ اللہ کی صورت دل پر لکھے اور اسکی طرف متوجہ رہے۔ تصویر یہ ہے (اللہ)

شغل دورہ قادریہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ادب سے دو زانو ہو کر قبلہ رو بیٹھے آنکھیں بند کرے زبان کو تالو سے لگا کر اللہ سمیعٌ کا بحضور قلب تصور کرے۔ اور ناف سے خط

نورانی نکال کر وسط سینہ یعنی مقام لطیفہ سر تک پہونچائے اور اللہ بصیرٌ کو سینہ سے نکال کر دماغ تک پہونچائے جو کہ بین الحاجب وام الدماغ مقام لطیفہ اخفیٰ ہے۔ اللہ علیمٌ کو ام الدماغ سے نکال کر عرش تک پھر اس عروج کے بعد عرش سے نزول کرے کہ اللہ علیمٌ کو عرش سے دماغ تک اللہ بصیرٌ کو دماغ سے سینہ تک اور اللہ سمیعٌ کو سینہ سے ناف تک لائے۔ اس دورہ کے بعد پھر ناف سے شروع کرے۔ اسی طرح تدریجاً عروج و نزول کے ساتھ مشغول رہے۔

انتباہ۔ اس شغل کی کیفیات بہت مشغول ہونے سے معلوم ہوتی ہیں۔ اس شغل کے فوائد و ثمرات حاصل ہونے کے بعد مراقبہ کی تلقین و تعلیم فرماتے ہیں۔

بیان مراقبات قادریہ

مراقبہ احسان۔ مراقبۂ فنار۔ مراقبۂ نور، مراقبۂ موت۔ ان مراقبات کے بعد مراقبۂ توحید افعالی۔ مراقبہ توحید صفاتی۔ مراقبہ توحید ذاتی ہیں (مراقبہ توحید ذاتی سے محققین نے منع کیا ہے)

طریق مراقبہ

مراقبہ رقیب سے مشتق ہے اور رقیب عربی میں نگہبان، محافظ کو کہتے ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ دل کو ماسوائے اللہ کی یاد سے اور غیر حق سے

محفوظ رکھنا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس آیت یا کلمہ کا مراقبہ منظور ہو اس کو
زبان سے کہے اور اپنے کو ذلیل وحقیر و کمترین سمجھ کر باادب قبلہ رو دوزانو
بیٹھے اور غیرِ خدا سے دل صاف کر کے اس کے معنی کے تصور میں منہمک ہو جاوے
اسی کے متعلق حدیث شریف میں ما الاحسان ہے

مراقبہ فنا۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔ یہ آیت گویا مراقبوں کا اصل ہے۔

اس کا طریق یہ ہے کہ اپنے کو بالکل مردہ اور خاک خیال کرے۔ اور
آسمان کو شگافدار اور تمام دنیا کو نیست و نابود مثل قیامت کے دن کے تصور
کرے اور خدا کی ذات کو موجود و باقی تصور کرے اس درجہ کی جب تک محویت
نہ پیدا ہو جاوے اسی شغل میں مشغول رہے اور اس کے حاصل ہونے کے
بعد دوسرے مراقبوں میں مشغول ہو۔

دوسرا مراقبہ نور۔ اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خیال کرے کہ
جس طرح اللہ کا وجود ہر جگہ ہے اسی طرح اس کا نور تمام عالم میں ہے اور اس
میں مستغرق ہو جاوے۔ اسی طرح

تیسرا مراقبہ موت۔ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ۔ اور اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۔ جب ان مراقبات سے فائدہ حاصل ہوا اور انوار و

کیفیات ظاہر ہوں تو پھر مراقبہ توحید کیا جاتا ہے اور یہ مراقبہ توحید چند طریق پر ہے۔

اوّل توحید افعالی۔ اس کا طریقہ ہے کہ تمام دنیا کے حرکات و سکنات کو خدا تعالیٰ کے افعال کا مظہر جانے۔ ظاہری کام کرنے والوں کو آلہ، اور اللہ تعالیٰ کو فاعل حقیقی خیال کرے تو غیر کی فاعلیت کا خیال جاتا رہے گا۔ اس پر پوری طرح پابندی کرنے پر عجیب ثمرہ یعنی بہتر اخلاق ظاہر ہوں گے۔

دوسرا مراقبہ توحید صفاتی۔ اپنے اور تمام دنیا کے وجود کو اللہ تعالیٰ کے صفات کا عکس سمجھے اور اسی خیال میں مستغرق ہو جاوے۔ یہاں تک حدیث شریف کنت لہ سمعہ وبصرہ کا مصداق ہو جاوے۔

انتباہ۔ اس کے فوائد بھی اس قدر ہیں کہ لکھے نہیں جا سکتے۔ مختصراً عرض ہے کہ اپنے جسم کو وسیع تصور کرے کہ زمین سے عرش تک تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام عالم کا وجود اپنے وجود میں پاتا ہے اور اس کی تکثیر سے ہر چیز کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے اور موجودات واقعیہ کے حالات منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں ہی نہ ٹھہر جاوے اور جو انوار ظاہر ہوں ان پر سے گذر جاوے کہ وہ سب حجاب ہیں وجود ذات مطلق کے بلکہ دربار الٰہی میں عجز و انکسار کے ساتھ دعا کرے کہ اس سے نکل جاوے کہ بعض بے رنگ و لطیف نور پا کر اس

پر ٹھہر جاتے ہیں غرضِ اصلی سمجھ کر۔ لیکن یہ سب حجابات ہیں ان پر توقف نہ کرے۔ خدا کی مدد شامل حال ہے تو یہ پردے با آسانی طے ہو کر ذات مطلق کی معرفت کا بفضلہ تعالےٰ نور حاصل ہو گا، عجیب حالات اور انکشاف ذات وصفات، حقائق کونیہ منکشف ہوتے ہیں اس کو اصطلاح میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اور اس کی انتہا نہیں۔ اس کو مقام سلوک و معرفت کا منتہا خیال کیا جاتا ہے۔

انتباہ:۔ سالک کو چاہئے کہ اول تو کبھی بھی اور بالخصوص ابتدا میں ایسے امور کی تحقیق و تلاش و جستجو میں کاوش نہ کرنا چاہئے کیونکہ ایسے امور متوسط درجے کے سالکین سے واقع ہوتے ہیں۔ منتہی دنیا کی چیزوں کی طرف کہ یہ سب مخلوق ہیں متوجہ نہیں ہوتے اسی لئے ان سے ایسے واقعات کم واقع ہوتے ہیں۔

یہ بھی خوب سمجھ لیں کہ عارف کے تمام مکشوفات کا صحیح اور واقع کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ واقعات کا کشف ظنی چیزوں سے ہے جن میں غلطی بھی احتمال ہے اور گاہے بالکل خلاف واقعہ بھی ہوتے ہیں۔ بس استقامت اور ہر امر میں ہر عمل میں کمال اتباع سنت پر مستقیم ہو۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم کا مصداق ہو

ذکر

صوفیائے کرام کے بیان میں ذکر کا بہت جگہ اور جگہ جگہ ذکر آتا ہے۔ لہٰذا اس کی حقیقت معلوم ہونا چاہیئے۔ سو اصطلاح صوفیہ میں ذکر اس کو کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی یاد میں تمام غیر خدا کو بھول جاوے اور حضور قلب سے اللہ تعالیٰ کا قرب، نزدیکی اور معیت حاصل کرے اسی کو حدیث قدسی میں فرمایا ہے"

اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ

کہ جب میرا بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں ــــ اور فرمایا ہے" اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ کہ جو مجھ کو یاد کرتا ہے تو میں اس کا ہمنشین و جلیس ہوتا ہوں۔ نیز حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بھی فرمایا ہے سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً

وَّ اَصِيْلًاO خدا کی صبح و شام تسبیح کرو۔ حاصل یہ نکلا کہ بس پوری توجہ سے یاد الٰہی میں اس طرح منہمک ہو کہ اپنے نفس سے بھی بیخبر ہو جائے اور اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ کا مصداق ہو جائے ذکر اس کی زندگی ہو جائے۔

انتباہ۔ یوں تو ذکر کی بہت قسمیں ہیں، بہت صورتیں اور بہت طریق ہیں لیکن عزیزانِ من مقصود ذکر سے مطلوب کا حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جس عمل سے یہ نفع حاصل ہو جائے وہی ذکر کہا جا سکتا ہے خواہ وہ نماز و روزہ ہو یا درود شریف ہو یا کلمہ شریف کا ورد ہو یا تلاوت ہو یا استغفا ہو یا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ہو یا اللہ اللہ ہو یا اور دعائیں ہوں۔ لیکن یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ذاکر اپنے کو مٹا نہ دے، سو طالب خدا اس کے ذکر میں اس طرح منہمک ہو جاوے کہ اپنے کو اور تمام غیر اللہ کو بھول جاوے۔ جب طالب اس درجۂ فنا کو ذکر میں منہمک ہو کر پہونچ جائے گا تو اخلاقِ حسنہ یعنی زہد، توکل، خلوت قناعت، صبر و حلم، رضا و تفویض انشاء اللہ تعالیٰ خود بخود حاصل ہو جائیں گے اور اس پر انوار الٰہیہ کی اس قدر تجلیاں ہونگی کہ اس کے حواسِ خمسہ مغلوب و مستور ہو جائیں گے اور ذکر و ذاکر دونوں فنا ہو جائیں گے اور صرف مذکور یعنی اللہ رہ جائیگا۔ بس مصداق ہوگا شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا

اِلٰہَ اِلَّا ھُو کا کہ اللہ نے گواہی دی کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں وہی ہے وہی۔ اس ذکر کی تلقین و تعلیم شیخ کرتا ہے۔ اور ذکر کے لئے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہ سب ذکروں میں لا الٰہ افضل ہے اسی واسطے اکثر مشائخ بھی اسی ذکر کی تعلیم فرماتے ہیں جس کے مختلف طریق ہیں جن کا بیان تفصیلی سابق میں اسی حصہ دوم میں آچکا ہے اور اس کے ساتھ بوقت تعلیم و تلقین توجہ کے مختلف طریق ہیں آسان طریق لکھا جاتا ہے۔

توجہ کا آسان طریقہ

مرید کو باوضو دوزانو مودٔب بٹھائے اور پہلے اس کی طرف توجہ کرے تاکہ اس کا ذہن بآسانی اذکار و اشغال کو قبول کر سکے وہ اس طرح کہ مرشد پہلے خود تمام خیالات سے خالی ہو جائے پھر اپنے دل کو اس کے دل کے مقابل کرے اور اللہ تعالےٰ کے اسم ذات اللہ کی ضرب لگائے اور یہ خیال کرے کہ اس ذکر کی کیفیت میرے واسطے سے اس کو حاصل ہو رہی ہے اور یہ ذکر اس کے دل میں سرایت کر رہا ہے اور یہ ضربیں ایک سو ایک بار ہوں تاکہ شوق اور ذکر کی حرارت اس کے قلب پر اثر کرے اور اس کا قلب ذاکر ہو جائے اور قلب ذکر سے حرکت کرنے لگے تو

اس طرف کچھ التفات نہ کرے حتیٰ کہ کثرتِ ذکر سے بلا اختیار جسم کا کوئی حصہ، کوئی عضو ہاتھ، پاؤں، سر حرکت کرنے لگتے ہیں۔ بعض دفعہ ذکر کا نور تمام جسم کو گھیر لیتا ہے۔ مختلف قسم کے انکشافات ہوتے ہیں اور عجیب قسم کے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے کبھی متحیر عالم حیرت میں ہوتا ہے لیکن سالک کو چاہیئے کہ کسی طرف بھی متوجہ نہ ہو بس ذکر و فکر میں بمحاسبہ و مجاہدہ مشغول رہے۔ یہ سب جو کچھ ظہور میں آتا ہے۔ صورتیں ہوں یا صوتیں ہوں انوار ہوں یا واقعات، ظلمات ہوں یا انکشافات وغیرہ سب مخلوق ہیں اور سالک کا وطیرہ خالق برتر اور ہمہ تن توجہ ذات بحث پر ہے اس کو نظر بر خالق کیسی۔ بس سیر کرتا ہوا بلا التفات چلتا چلا جائے یہاں تک کہ واصل بحق، سرمست ذات خاص ہو جائے اور فنائے تام ہو جائے کہ تمام خواہشاتِ نفسانی فنا ہو کر بس مرضیاتِ حق کا تابع ہو جاوے۔ فنائے نفس کے یہی معنیٰ ہیں کہ خواہشاتِ نفسانی تابع مرضیات الٰہی ہو جائیں تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا مصداق ہو جائے، صِبْغَةَ اللّٰهِ، اللہ کے رنگ میں رنگ جائے کہ اپنی ہستی کی رنگ و بو نہ رہے۔ بس بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَنْطِقُ وَبِیْ یَبْطِشُ وَبِیْ یَمْشِیْ وَبِیْ یَعْقِلُ کا مظہر ہو جاوے۔ یعنی میرے ہی ذریعہ سے سنتا اور دیکھتا اور بولتا اور پکڑتا اور چلتا اور ادراک کرتا ہے اور مَارَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَ

رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ کا مصداق ہو جاوے کہ میں کوئی چیز نہیں دیکھتا۔
جس میں خدا کا جلوہ دکھائی نہ دے بس یہ حال ہو جاتا ہے کہ ؎

علم حق در علم صوفی گم شود
ایں سخن کے باور مردم شود

یعنی خدا کا علم اس کے علم میں غائب ہو جاتا ہے یعنی دونوں علم مخلوط ہو جاتے ہیں لیکن اس کے کہنے کو ہر شخص یقین نہیں کر سکتا۔

اصطلاحات یازدہ واجب الحفظ

ہر جماعت کی کچھ اصطلاحات ہوتی ہیں جو کہ وہ بعض تفصیلات کا اجمال اور ابہام ہوتی ہیں انہی میں سے نقشبندیہ کی کچھ اصطلاحات ہیں جو کہ وہ دوسرے سلاسل میں بھی مطلوب ہیں جیسا کہ بعد وضاحت معلوم ہو جائیگا۔ وہ اصطلاحات یہ ہیں۔

ہوش[1] در دم۔ نظر[2] بر قدم۔ سفر[3] در وطن۔ خلوت[4] در انجمن۔ یاد کرد[5] بازگشت[6]۔ نگہداشت[7]۔ یادداشت[8]۔ وقوف[9] زمانی۔ وقوف[10] عددی وقوف[11] قلبی۔ سب گیارہ ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے اور اپنا مطمع نظر جاننا چاہیئے۔ ان کا یاد رکھنا بہت آسان ہے۔

ہوش در دم یہ کہ اپنے سے باخبر اور ہوشیار رہے تاکہ غفلت سے سانس نہ آئے یہ مفرقہ نفسی کو دفع کرتا ہے۔

نظر بر قدم ۔ یہ کہ ہر جگہ آمد و رفت میں پاؤں پر نظر رکھے۔ تاکہ نظر

پراگندہ اور منتشر نہ ہو جاوے اور جمیعت خاطر حاصل ہو۔ ابتدا میں دل نظر کے تابع ہوتا ہے اور نظر کی پابندی دل پر اثر ڈالتی ہے۔

سفر در وطن۔ یہ کہ سالک انسانی طبیعت میں سفر کرے یعنی صفات ذمیمہ کو اچھے اخلاق میں بدل دے۔ یہی تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے معنی ہیں

خلوت در انجمن۔ یہ کہ ظاہر میں خلقت کیساتھ رہے اور باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یعنی ہر حال میں حق تعالےٰ کے ساتھ مشغول رہے، خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔

یاد کرد۔ اس سے ذکر لسانی و قلبی مراد ہے کہ خدا کی یاد میں غفلت کو دور کرے۔

بازگشت۔ یہ ہے کہ جتنی بار کلمہ طیبہ زبان سے ادا کرے اتنی بار دل سے دعا کیا کرے کہ بار الٰہا تو اور تیری رضا میرا مقصود ہے اور میں نے تیرے ہی لئے دنیا اور آخرت کو چھوڑ دیا تو مجھے اپنی نعمتوں اور اپنی بارگاہ کی رسائی عنایت فرما۔ ذکر میں اس سے غفلت نہ کرنا چاہئے۔ یہ بہت بڑی شرط ہے۔

نگہداشت۔ مراقبۂ قلب کو کہتے ہیں یعنی دل کو غیر کے خیال سے خالی رکھے کہ ایک سانس میں سو مرتبہ کلمۂ طیبہ کہے تو غیر کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ اسماء وصفات باری تعالیٰ سے بھی غافل ہو جاوے اور وحدت مطلق اور وراء الوراء کو مد نظر رکھے۔

یادداشت ۔ یہ کہ ہر حالت میں اور ہر وقت میں خدا کی طرف متوجہ رہے، بعض حضور قلب کو یادداشت کہتے ہیں کہ بحیت ذاتی خدا کا شہود، اس کا وجود دل پر غالب ہو۔ اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں اور یہ مقام کہ پوری توجہ خدا کی طرف ہو پوری فنا اور بقائے کامل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ہے۔

وقوف زمانی ۔ یہ ہے کہ انسان ہر حالت میں اپنے سے باخبر رہے کہ خدا کی اطاعت کرتا رہے۔ اور اس پر شکر کرے اور کوئی گناہ ہو گیا ہو تو عذر خواہی و توجہ کرے یا پاسِ انفاس کا خیال رکھے کہ حضور میں گزرتا ہے یا غفلت میں اسی طرح بسط و قبض میں شکر اور استغفار میں رہے۔ اسی کو محاسبہ کہتے ہیں۔

وقوف عددی ۔ یہ ہے کہ نفی و اثبات میں طاق عدد کا خیال رکھے۔ ذکر قلبی میں عدد کی رعایت کرے اس سے پریشانی خاطر دفع ہوتی ہے۔

وقوف قلبی ۔ ذکر کرنے والا خدا سے باخبر اور واقف رہے یا خدا کے حضور میں دلکو اس طرح حاضر رکھے کہ غیر خدا سے کوئی تعلق نہ رہے۔

انتباہ ۔ محققین نے فرمایا ہے کہ اگر طالب میں ذکر قلبی قرار نہ کرے۔ اثر نہ کرے تو اسے ذکر سے روک کر وقوف قلبی کا مرشد امر فرماوے تاکہ ذکر جلد اثر کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تتمہ شریعت وتصوف جلد ثانی

محترمانِ اصحاب سلوک کی خدمت میں باادب گذارش ہے کہ سلوک اپنی ذات میں نہایت لطیف اور نزہت ونزاکت کو لیئے ہوئے ہے جسکو میرے مرشد حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ شاہ محمد اشرف علی صاحب قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا کہ سلوک نہایت لطیف چیز ہے اور لطیف بھی کیسا؟ روح سے لطیف اور کونسی روح؟ فرمایا فرشتے کی روح، اس روح سے بھی لطیف ہے۔ تو ایسی لطیف کے ساتھ کس درجہ حسن سلوک چاہیئے احسن سلوک ہو۔ اور کیوں نہ ہو کہ اسی کا نام شرع شریف کی اصطلاح میں بلسانِ جبرئیل علیہ السلام احسان سے تعبیر کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماالایمان اور ماالاسلام سے سوال کرنے پر ایمان واسلام کی حقیقت وماہیت ترکیبیہ دریافت ہونے پر ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا سوال کیا کہ ماالاحسان آپ نے فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ کہ آپ نے جو ایمان کی حقیقت سے سوال کیا ہے اور وہ قلبی تصدیقی چیز ہے اور اسلام سے

سوال کیا ہے جو جوارح و اعضاء سے متعلق خارجی عملی چیز ہے ان دونوں عبادتوں کا اس طرح کرنا ہو کہ تو جس ذات اللہ کی عبادت کر رہا ہے اس طرح عبادت کر کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ حال ابھی نہیں ہے جو کہ وہ کالمعانیہ ہے تو یہ تو ہے کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے یعنی تیری یہ عبادتیں گویا معانیہ اور مشاہدہ کے طریق سے ہوں معانیہ و مشاہدہ کے ساتھ ہوں کہ جس کو سلوک کی اصطلاح میں فنا کہتے ہیں۔

پس جب یہ مطلوب ہے تو اس کے حصول کے طرق ضرور ہوں گے ان طرق کا اختیار کرنا ضروری ہوگا وہ طرق اس راہ کے تجربہ کار صاحب علم وحی، صاحبِ ذوق و وجدان سے تعلیم لینے ہوں گے۔ بخلوص و صدق و بفنا، اپنی رائے۔ اپنا علم، اپنا تجربہ، اپنا ذوق، اپنا شوق یعنی اپنے سب جذبات خیالات کو فنا کرنا ہوں گے۔ پس جب سالک کو بخلوص و صدق سلوک یعنی خدا کی راہ پر چلنے اس کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق ہوتی ہے تو منجانب اللہ اس سے سالک کا قلب انوارِ ہدایت سے منور کر دیا جاتا ہے اور ضلالت و گمراہی سے صاف کر دیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ کیونکہ طالب حق کی اول فہم درست ہوتی ہے تب ہی تو وہ طالب حق ہو کر داخلِ سلوک ہوا یہ بصیرت ہے۔ پھر وہ احکام کو قبول کرتا ہے یہ ہدایت ہے

پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب و قبول عنایت ہوتا ہے یہ رحمت ہے اس کا ذکر
اس آیت شریفہ میں ہے بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لَّعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ اس نور کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی طرف
سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے اپنے معاصی
کو یاد کر کے عنان استغفار ہاتھ میں لے کر غفور رحیم و قبلۂ حاجات کیطرف
رجوع کرتا ہے پس اس وقت وہ جانتا ہے اس کو اس کی بصیرت رہبری
کرتی ہے کہ یہ راہ بلا کسی مرشد کامل کی درگاہ کی جبہ سائی کئے بغیر
حاصل نہیں ہو سکتی اب وہ اس کی تلاش میں بے چین ہوتا ہے اور
وہ جامع شریعت و طریقت کی غلامی کو فخر سمجھتا ہے۔ پس وہ توفیق و
فضل الٰہی سے ایسے مرشد کو پالیتا ہے اور اس کی چوکھٹ پر جا پڑتا ہے
تاکہ شیطانی وساوس اور ہوائے نفسانی سے بتوجہ شیخ بتوفیق خداوندی
محفوظ رہ سکے اور اپنے امراض باطنی کے لئے اسی حکیم صادق کے تعلیم
کئے ہوئے نسخہ کو استعمال کرے کیونکہ جب تک اندرونی امراض حسد،
بخل، غرور، تکبر، کینہ، ریا، حب جاہ، حب مال، حب دنیا، غصہ، حرص
و طمع وغیرہ کا انسداد و ازالہ نہ ہو جائے گا اور ان کی جگہ اخلاص، علم،
حلم، سخاوت، خاکساری، تحقیر نفس، کم خوری، کم آرام طلبی، کم گفتگو، قناعت
صبر و شکر توکل، تسلیم و رضا، تفویض، یقین وغیرہ محبت الٰہی، خوف الٰہی

شوق اتباع سنت، اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ پیدا ہوں گے اس وقت تک وصول وقبول الی اللہ تعالیٰ نہیں ہو سکتا۔ انھیں فرائض کی خاطر مرشد کے سامنے زانوئے ادب طے کرنا ضروری کیا گیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اور دوسری جگہ فرمایا وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور سچوں کے ساتھ رہو یعنی جو صادق العلم، صادق القول صادق العمل، صادق الحال ہوں ان کے ساتھ رہو اور فرمایا کہ جس کا میلان میری طرف ہو اس کا اتباع ہو۔

ان دونوں آیتوں میں صیغہ امر کا ہونے سے معلوم ہوا کہ یہ حکم وجوبی حکم ہے اسی لئے بیعت کرنا اور مرشد کامل کی جبہ سائی اور دامن پکڑنا ایسا عمل ہے جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف بھی منسوب ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ اور فرمایا اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ نیز پیشوایانِ اسلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص رب العالمین کی ہم نشینی کرنا چاہتا ہے اسکو حضرات صوفیاء کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے اس کو مولانا روم نے اس طرح فرمایا ہے

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا گو نشیند در حضورِ اولیاء

اور یہ گویا ترجمہ ہے اس حدیث قدسی کا جسمیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں
اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُم کہ میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن
کے قلوب منکسر ہوتے ہیں چونکہ یہ ظاہر ہے کہ یہ حال حضرات صوفیا ہی
کا ہوتا ہے کہ ہر وقت انکسار افتقار اور فنائیت اور لاشیئیت کی کیفیات
ان پر غالب رہتی ہیں اس لئے ان کے دل دنیا سے افسردگی اور شکستگی لئے
ہوئے رہتے ہیں۔ جیسے کوئی دنیوی صدمہ اور نقصان اٹھائے ہوئے ہو
تو افسردگی کی کیفیت اس پر ہر وقت غالب رہتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی
کچھ گرم و سرد کہہ دیتا ہے تو یہ خاموش رہتا ہے کیونکہ اس کا ہر وقت
اسی نقصان و صدمہ کی طرف دھیان لگا رہتا ہے ٹھیک اسی طرح بلکہ اس
سے زیادہ حضرات صوفیاء پر ہر وقت حق تعالیٰ کی معرفت کا اثر یعنی
رعب عظمت و جلالت اور ہیبت و دہشت روز قیامت ان پر مستولی
اور غالب رہتی ہے اس لئے ان کو کوئی کچھ بھی کہہ لیتا ہے مگر انھیں غصہ
نہیں آتا۔ وہ کسی پر غصہ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی طبیعت میں اس کی
طرف سے کچھ کھٹاس اور نفرت رکھتے ہیں بلکہ صاف دل رہتے ہیں اور
بدستور برا کہنے والے سخت الفاظ کہنے والے کے ساتھ وہی خوش۔
اخلاقی اور ملاطفت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ غرض حضرات صوفیاء کرام
کے قلوب ہمہ وقت تجلیات الٰہیہ انوار ذات سبحانی سے منور و متجلی رہتے
ہیں۔ ہر وقت خدا تعالیٰ کے ساتھ اور خدا تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اس لئے ان حضرات کی ہمنشینی خدا ہی کی ہمنشینی ہوتی ہے۔

اور چونکہ ہمارے شیوخ نائبین رسول ہیں اس لئے ان کا ادب احترام خدمت ضروری ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے الشیخ فی قومہ کالنبی فی اُمتہٖ کہ شیخ اپنی جماعت میں ایسا ہوتا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں ہوتا ہے۔ پس جو شخص اپنے تمام اوقات کو شیخ کامل کی خدمت میں صرف کردے گا اور اپنے نفس کا اختیار کلی شیخ کو دیدیتا ہے اس کے متعلق قوی امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اس کو ضرور مقصود حاصل ہو جائے گا۔

عزیزانِ من! ہر مرض کا علاج جداگانہ ہے اس وجہ سے امراض قلبی میں طبیبِ روحانی حاذق یعنی شیخ وقت ہر مریض کو علیحدہ علیحدہ دوا، معالجہ، طرق و تدابیر تعلیم فرماتا ہے لیکن اس موقعہ پر مختصر سا اصولاً و اجمالاً طریق سلوک لکھا جاتا ہے یوں تو سلوک کے طریقے لاتعداد ہو گئے ہیں مگر ان سب میں تین راستے بہت قریب کے ہیں اور بیشتر اشخاص ان کے متحمل ہیں۔

پہلا طریقہ صلحاء و اخیار کا ہے:۔ وہ یہ ہے کہ تمام شرعی فرائض واجبات اور سنن موکدہ نماز، روزہ تلاوت قرآن پاک اور حسب موقعہ زکوٰۃ، حسب موقعہ حج، حسب موقع جہاد، سب ہی کچھ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس

طریق میں منزلِ مقصود تک رسائی دیر میں ہوتی ہے۔ دوسرا طریق مجاہدات دریاضیات کا ہے وہ یہ ہے کہ ان امور مذکورہ طریقہ اولیٰ کے علاوہ تمام اخلاقی غلطیوں کوتاہیوں کو، خوبیوں، اچھائیوں سے تمام غلط کاریوں بداخلاقیوں کو اخلاقِ حمیدہ، اخلاقِ فاضلہ سے بدل دے یہ وہ طریق ہے جسمیں اکثر فائز المرام ہوتے ہیں۔ واصل بحق ہوتے ہیں اور یہ طریق ابرار کا ہے۔
تیسرا طریقہ شطاریہ کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام علائق دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور انسانی صحبتوں سے جدا رہتے ہیں ان کا مطمح نظر سوائے درد و اشتیاق کے ذوق و شوق ذکر و شکر کے کچھ نہیں ہے ان کی نظر میں کشف و کرامات تک کچھ مستحسن نہیں بس اپنے اوقات عزیز کو موتوا قبل ان تموتوا کی استقامت میں صرف کرتے ہیں۔ یہ طریق پہلے دو طریقوں سے جلد مقصد حقیقی قربِ الٰہی، واصل بحق ہونے میں بفضل حق اکمل واتم ہے اس سے سالک جلد تر مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔

تنبیہہ:۔ موتوا قبل ان تموتوا کی تفصیل شریعت و تصوف کے پہلے حصہ میں ذکر کی جا چکی ہے ضمناً پھر یہاں بیان کی جاتی ہے۔

اور وہ ذرائع اس طریق میں یعنی موتوا قبل ان تموتوا دس ہیں۔

اوّل:۔ توبہ یعنی کوئی مطلوب سوائے خدا تعالیٰ کے نہ ہو جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

دوسرے:۔ زہد یعنی دنیا و مافیہا سے کچھ تعلق نہ رکھے جیسا کہ بوقتِ موت ہوتا ہے۔

تیسرے:۔ توکل یعنی اسبابِ ظاہری کو ترک کردے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

چوتھے:۔ قناعت یعنی نفسانی و شہوانی خواہشوں کو ترک کردے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

پانچویں:۔ عزلت یعنی لوگوں سے کنارہ کشی اور انقطاع اختیار کرے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

چھٹے:۔ توجہ یعنی خدا ہی کی طرف توجہ کرے اور اغراض کو اسی سے متعلق رکھے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

ساتویں:۔ صبر یعنی تمام نفسانی لذات کو چھوڑے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

آٹھویں:۔ رضا یعنی اپنے نفس کی رضامندی چھوڑدے اور اللہ کی رضا پر رضامند رہے اور اس کے ازلی احکام کا پابند ہو جاوے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے

نویں۔ ذکر یعنی اللہ کے ذکر کے سوا تمام اذکار کو ترک کردے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

دسویں :- مراقبہ یعنی اپنی تمام قوت داختیار کو چھوڑدے جیساکہ
موت کے وقت ہوتا ہے۔

پس ہر طالب کو چاہیئے کہ پہلے اتباعِ شیخ سے تمام بداخلاقیوں
سے جوکہ لوازم مادیت سے ہیں اپنے کو صاف بنائے اور محفوظ رکھے
اور اپنے کو کمالات ومحاسن ومکارم اخلاق کا جامع بنائے اور دل
میں سوائے خدا کے کسی کے خیال کو جگہ نہ دے حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسکی
توفیق عطا فرمائیں صلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

ملفوظ شریف حضرت والا دامت برکاتہم

ارشاد فرمایا۔ پرسوں میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ کہ میں مسجد جا رہا ہوں اور مولوی غلام محمد صاحب (افریقی) میری دائیں جانب سہارا دیئے چل رہے ہیں۔ اچانک امام اعظمؒ (ابو حنیفہ) تشریف لائے اور غلام محمد صاحب کو بائیں طرف جانے کے لئے اشارہ فرمایا۔ چنانچہ وہ بائیں طرف ہو گئے اور ہلکا سا ہاتھ لگائے ہوئے چلنے لگے اور حضرت امام اعظمؒ میری دائیں جانب اچھی طرح سہارا دیتے ہوئے چلنے لگے۔ اس سے میرے اوپر گہرا اثر ہوا۔ اور میری حالت دیگر ہو گئی۔ اسی پریشانی میں آنکھ کھل گئی۔ پھر فرمایا اپنے حال پر بہت افسوس ہے بہت ندامت اور پشیمانی ہے نہایت گنہ گار ہوں کسی لائق نہیں ہوں مگر بڑوں کی اپنے حال پر یہ عنایت یہ لطف و کرم ہے (احقر جامع عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ اس ملفوظ گرامی سے حضرت والا کی فنائیت اور عبدیت صاف ظاہر ہے۔ چونکہ خدام کے سامنے آپ کے ہمہ وقت کے حالات ہیں کہ خدمت خلق، خدمت دین میں نہایت ہی خلوص کے ساتھ مصروفیت سے کوئی لمحہ خالی نہیں۔ ہر وقت کسی نہ کسی کام کے لئے خلقت ہجوم کئے رہتی ہے آپ کے آرام و راحت کا وقت بے وقت کا بھی لحاظ نہیں ہوتا جس سے بعض اوقات تنگی اور تکدر طبع بھی ہو جاتا ہے مگر تحمل فرماتے رہتے ہیں اظہار نہیں فرماتے

مگر مزاج شناس اس کو محسوس کر لیتے ہیں با ایں ہمہ حضرت والا غایت شفقت و ہمدردی و دل سوزی کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہتے ہیں کسی پر بھی اپنا ذرا احسان نہیں سمجھتے نہ ہی کسی قسم کا اپنا کوئی استحقاق خیال فرماتے ہیں ہر وقت اپنے کو خادمانہ طور پر دوسروں کے لئے تیار رکھتے ہیں کسی کو ادنیٰ تکلیف ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے خواہ اس کی طرف سے یا اس کیلئے اپنے اوپر کتنی ہی گرانی اور تعب و تکلیف لینی پڑے۔ پھر آدمی تو آدمی، جانور تک کا بھی آپ پورا خیال فرماتے ہیں ذرا سی تکلیف دینا تو درکنار تکلیف کا سبب بعید بھی بننے سے پورا اجتناب پوری احتیاط فرماتے ہیں۔ ادنیٰ جانور کے بھی آرام میں اپنے کسی طور طریق سے خلل ڈالنا پسند نہیں فرماتے۔ حتیٰ کہ اگر بلّی آپ کے بستر یا گدّے پر سو جاتی ہے تو آپ اپنی اس خاص نشستگاہ اور آرامگاہ، گدّے اور بستر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ بلّی کو نہیں ہٹاتے کہ اس کی نیند میں آرام میں خلل آئیگا اسی طرح کتے کو راستہ سے نہیں ہٹاتے اور دوسرا ہٹانا چاہے تو اس کو بھی منع کر دیتے ہیں بس خود بچ کر نکل جاتے ہیں۔ ہاں اگر بچ کر نکلنے کی گنجائش نہ ہو تو اور بات ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ راستہ خدا کی مخلوق کیلئے عام ہے اسلئے اس کی کسی مخلوق کو راستہ سے ہٹانیکا ہمیں کوئی حق نہیں جبکہ ہمارے گزر جانیکا راستہ باقی ہے اسی طرح آپ کسی بھڑ یا مچھر کو بھی نہیں مارتے پانی وغیرہ میں چیونٹی وغیرہ ہو تو اسکو پانی میں ڈوبنے سے بچا لیتے ہیں بھڑ وغیرہ راستہ میں مردہ پڑی ہو تو اس کو روندنا، پیروں میں کچلا جانا پسند نہیں فرماتے اسکو اٹھا کر ایک طرف کسی محفوظ مقام پر رکھ دیتے ہیں۔ حضرت والا کے حالاتِ شبانہ روز کا نمونہ عرض ہوا اور حالات بیان کرنا بہت مشکل ہے با ایں ہمہ (پھر بھی) اپنے کو کس قدر کمتر فرما رہے ہیں اور صرف خیال نہیں بلکہ اس کا شدید استحضار فرما رہے ہیں

اور عجیب تاثر لے رہے ہیں اللہ اکبر حضرت والا کا حال ہے کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند، کا بالکل اور صحیح مصداق ہے اخلاق محمدی کے آپ صحیح حامل اور پورے مظہر ہیں۔ حق تعالیٰ ہم سب کو آپ کے اتباع کی کامل توفیق عطا فرمائے۔ فقط احقر نصیر احمد جامع عفی عنہ